روزہ
اور
اس کی حقیقت

تالیف

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

تخریج الأحادیث
محمد ناصر الدین الألبانی

تحقیق
زہیر الشاویش

طباعت و اشاعت

رئاست عامہ برائے علمی تحقیقات و افتاء و دعوت وارشاد

ریاض۔ مملکت سعودی عرب

۱۴۰۸ھ

یہ کتاب مفت تقسیم [illegible] ہے

روزہ
اور
اس کی حقیقت

تالیف

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

تخریج الأحادیث
محمد ناصر الدین الألبانی

تحقیق
زہیر الشاویش

طباعت و اشاعت
رئاست عامہ برائے علمی تحقیقات و افتاء و دعوت وارشاد
ریاض۔ مملکت سعودی عرب
۱۴۰۸ھ

یہ کتاب مفت تقسیم کی جاتی ہے

۱

مؤلف کی سوانح حیات

آپ کا نام اور نسب یہ ہے۔
شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن عبداللہ بن الخضر بن محمد ابن تیمیہ النمیری الحرانی الدمشقی۔

تیمیہ آپ کے جد اعلیٰ محمد کی والدہ محترمہ تھیں۔ یہ واعظ تھیں، راوی تھیں۔ یہ معزز گھرانہ آپ ہی کی طرف منسوب ہے۔

دجلہ و فرات کے درمیان جزیرہ کے اہم شہر حران میں ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے جب تاتاریوں کا غلبہ ہوا تو ان کے والد محترم پورے خاندان کے ساتھ دمشق چلے آئے۔ دمشق کے نامور اہل علم سے آپ نے کسب فیض کیا جو اس وقت علم و دین کا مرکز تھا۔

آپ زہد و تقویٰ اور عبادت گزاری کے امام تھے تو دوسری

ب

طرف شجاعت وبسالت اور شہسواری کے نامور مجاہد تھے جس طرح آپ نے اپنی زبان وقلم سے امت کے عقائد کی مدافعت کی اسی طرح تلوار سے ملک کی حفاظت بھی کی۔

دمشق پر جب تاتاریوں نے حملہ کیا تو دفاع کا مقدس فریضہ انجام دیا اور دمشق کے جنوب میں شوحب کے مقام پران سے جنگ کی۔ اللہ نے اس جنگ میں تاتاریوں کو شکست فاش دی۔ جس سے شام وفلسطین اور مصر وحجاز تاتاریوں کی خون آشامیوں سے بچ گئے۔

امت کے ان دشمنوں کے خلاف مسلسل جنگ کرنے اور علم جہاد بلند کیے رہنے کا آپ نے حکام سے مطالبہ کیا۔ جنہوں نے ان بیرونی حملہ آوروں کی مدد کی تھی۔

بس اسی پر حکام کی کینہ توزی، علماء اور ہم عصر لوگوں کا حسد منافقین اور فاجرین کی سیہ کاری رنگ لائی اور آپ کو تعذیب وایذا دہی، قید وبند اور جلاوطنی کے ہر مرحلہ سے گزارا گیا لیکن آپ

کے قدموں میں تزلزل آیا نہ آپ جھکے۔ آپ کے اس وقت کے جملے زبان زد خاص و عام تھے۔

"میرے دشمن میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟ میری جنت میرے سینے میں ہے کہیں بھی جاؤں وہ مجھ سے جدا نہیں ہو سکتی۔

قید میرے لیئے خلوت ہے، قتل میرے لیئے شہادت ہے اور شہر بدر میرے لیئے سیاحت ہے۔"

متعدد بار جیل گئے۔ جیل میں کہا کرتے تھے:

"محبوس تو وہ ہے جس کا قلب اس کے رب سے روک دیا جائے اور قیدی تو در حقیقت اسے کہیں گے جسے اس کی خواہشات نے قید کر لیا ہو۔"

آپ کی تین سو سے زائد تالیفات ہیں جو مختلف علوم پر مشتمل ہیں چند تالیفات تو کئی ضخیم جلدوں میں ہیں۔

آپ کی وفات قلعہ دمشق کے جیل میں ہوئی ۷۲۸ھ کی ذی القعدہ کی ۲۲ تاریخ تھی۔ آپ پر اللہ کی رحمت سایہ فگن ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا [1]

---

[1] یہ خطبہ خطبہ حاجت کے نام سے مشہور ہے۔ صحیح حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو اس کی تعلیم دیتے تھے کہ وہ اپنے کلام اور خطبوں سے پہلے اسے پڑھا کریں جس سے اپنی ضرورت کی تکمیل کے لیئے خدا سے مدد چاہیئے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے رسائل اور کتابوں میں اس خطبہ سے آغاز کرنے کا بہت اہتمام کرتے ہیں جس سے آپ کے اتباع سنت اور اس کو زندہ کرنے کے جذبے کا اندازہ ہوتا ہے۔ میں نے مکتبہ ظاہریہ کے مخطوطہ میں ان کی تحریر پڑھی ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں

حاشیہ میں اسے درج کر دیا جائے۔ اس خطبہ کا ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں :

میں نے عوام الناس کو خطاب کرتے، عام و خاص سارے لوگوں کو مخاطب بنانے اور انہیں کتاب وسنت کی تعلیم دینے، اس کی ان کے اندر سمجھ پیدا کرنے اور انہیں وعظ و نصیحت کرنے اور مجادلہ و مباحثہ کرنے میں اس بات کو ملحوظ رکھا ہے کہ اس نبوی خطبہ سے خطاب ہو جب کہ ہمارے زمانے کے شیوخ جن سے ہم نے اخذ و اکتساب کیا ہے اور دوسرے لوگ مساجد و مدارس میں تفسیر و فقہ کے مجلسوں کا افتتاح دوسرے خطبوں سے کرتے ہیں مثال کے طور پر وہ کہتے ہیں۔ "الحمد لله رب العالمين وصلى الله على خاتم النبيين وعلى آله وصحبه اجمعين ورضى الله عنا وعنكم وعن مشايخنا وعن جميع المسلمين" یا "وعن السادة الحاضرين وجميع المسلمين" اسی طرح میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا ہے کہ نکاح میں وہ مسنون خطبہ نہیں پڑھتے اور ہر قوم دوسری سے منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ ابن مسعودؓ کی حدیث صرف نکاح کے

لئے خاص نہیں ہے بلکہ تمام ضروریات کے لیئے یہ خطبہ ہے اور نکاح بھی اس میں شامل ہے۔

تمام عادات وعبادات میں اقوال واعمال میں شرعی سنتوں کا خیال رکھنا ہی صراط مستقیم کا منتہا ہے اور جو اس کے ماسوا ہے، اگرچہ شریعت نے اس سے روکا نہ ہو لیکن اس میں نقص ہے اور وہ نظر انداز کر دینے کے لائق ہے۔ کیونکہ بہترین ہدایت محمدؐ کی ہدایت ہے"

میرا ایک مختصر رسالہ ہے جس میں میں نے اسی باب کی ساری احادیث کو جمع کر دیا ہے ان کے طرق اور الفاظ صحیح اور غیر صحیح وغیرہ کی تخریج کی ہے اور ان سے متعلق بعض نوٹس بھی بڑھائے ہیں۔ چند سال قبل یہ رسالہ طبع ہو چکا ہے اور مکتب اسلامی نے مزید اضافوں کے ساتھ دوبارہ شائع کیا ہے۔

نوٹ۔ حدیث کے تمام سلسلوں میں شہادتین میں شہادت کا فعل واحد استعمال ہوا ہے جب کہ اس سے پہلے تمام افعال جمع استعمال ہوئے ہیں۔ اس

۴

فصل

کن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور کن چیزوں سے نہیں ٹوٹتا

اس کی قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو وہ ہے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جو نصوص اور اجماع سے ثابت ہے اور وہ یہ ہیں۔ کھانا پینا اور جماع کرنا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ص
وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ
مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوْا

میں ایک لطیف حکمت ہے جسے شیخ الاسلام نے اجاگر کیا ہے۔ میں نے اپنے اس رسالہ میں اسے نقل کیا ہے۔ جسے ضرورت محسوس ہو اس رسالہ کے صـ۱۵ پر دیکھ لے۔

۵

الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ (بقرہ : ۱۸۷)

("اب تم اپنی بیویوں کے ساتھ شب باشی کرو اور جو لطف اللہ نے تمہارے لیئے جائز کر دیا ہے اسے حاصل کرو، نیز راتوں کو کھاؤ پیئو یہاں تک کہ سیاہیٔ شب کی دھاری سے سپیدۂ صبح کی دھاری نمایاں نظر آ جائے، تب یہ سب کام چھوڑ کر رات تک اپنا روزہ پورا کرو۔")

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہاں شب باشی، کھانے اور پینے سے روزہ رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس لیئے کہ اس سے پہلے یہ حکم گزر چکا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ (البقرۃ : ۱۸۳)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیئے گئے۔ جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروں پر فرض کیئے گئے تھے۔)

وہ یہ سمجھتے تھے کہ روزہ کھانے پینے اور جماع کرنے سے رک رہنے کا نام ہے اور "صیام" (روزہ) کا لفظ وہ اسلام سے پہلے بھی استعمال کرتے تھے جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، "عاشورہ وہ دن ہے جس میں قریش دورِ جاہلیت میں بھی روزہ رکھتے تھے۔" [1]

متعدد سلسلوں سے روایتیں ملتی ہیں کہ آپ ﷺ نے رمضان کی فرضیت سے پہلے یوم عاشورہ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا اور ایک

---

[1] مسلم کے الفاظ (۳ : ۱۴۶) یہ ہیں حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔
"قریش جاہلیت میں عاشورہ کے روزے رکھتے تھے اور اللہ کے رسول ﷺ بھی رکھتے تھے جب آپ مدینہ ہجرت کر آئے تو آپ نے روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا لیکن جب رمضان کا مہینہ فرض ہوا تو آپ نے فرمایا جو چاہے عاشورہ کے روزے رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔"

منادی روزہ رکھنے کا اعلان کرنا تھا[1] معلوم ہوا کہ اس لفظ کا محل استعمال ان کے ہاں مشہور تھا۔

اسی طرح نص اور اجماع سے ثابت ہے کہ حیض کا خون روزہ کو توڑ دیتا ہے۔ حائضہ روزہ نہ رکھے بلکہ ان کی قضا کرے یہ بھی لقیط بن صبرہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ؐ نے فرمایا: "ناک میں پانی خوب ڈالو ہاں اگر تم روزے سے ہو تو درست نہیں

---

[1] پچھلے صفحہ میں حضرت عائشہؓ کی حدیث گزر چکی ہے اس میں عاشورہ کے روزے رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ؐ نے ایک اسلام لانے والے شخص کو حکم دیا کہ "لوگوں میں اعلان کر دو کہ جس نے کھالیا ہے وہ بقیہ دن روزے سے رہے اور جس نے نہیں کھایا ہے وہ روزہ رکھے اس لیے کہ آج یوم عاشورا ہے۔" امام بخاریؒ نے (۱۔ ۴۹۸) اس کی تخریج کی ہے اور الفاظ انہی کے ہیں اور مسلم (۳۔ ۱۵۱۔ ۵۲) اور دوسرے لوگوں نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔

ہے۔"[1] معلوم ہوا کہ ناک میں پانی ڈالنا روزہ کو توڑ دیتا ہے اور یہ جمہور علماء کا قول ہے۔

سنن میں دو حدیثیں ہیں۔ ایک ہشام بن حسان بواسطہ محمد بن سیرین بواسطہ ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: "جس شخص کو قے آجائے اور وہ روزہ سے ہو تو اس پر قضا واجب نہیں ہے اور جو جان بوجھ کر قے کر دے تو وہ قضا کرے۔"

یہ حدیث اہل علم کے ایک گروہ کے نزدیک ثابت نہیں ہے،

---

[1] صحیح حدیث ہے، چاروں سنن والوں نے اور ابن جارود نے منتقیٰ (۴۶) میں حاکم (۱؍۴۸) نے طیالسی (۱۳۴۱) میں اور احمد (۴؍۳۳) نے لقیط کے واسطے سے مرفوع روایت ہے۔ الفاظ یوں ہیں: "اچھی طرح وضو کرو، انگلیوں کے درمیان خلال کر لیا کرو۔ اور ناک میں پانی خوب ...." حاکم نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔ ذہبی اور دوسرے لوگوں نے ان کی موافقت کی ہے جیسا کہ صحیح سنن ابی داؤد میں مذکور ہے

بلکہ ان کا کہنا ہے کہ یہ ابوہریرہؓ کا قول ہے ابوداؤد کہتے ہیں میں نے احمد بن حنبل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ : اس میں کچھ نہیں ہے۔ خطابی کہتے ہیں اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے۔
ترمذی کہتے ہیں : میں نے محمد بن اسمٰعیل بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ مجھے صرف عیسیٰ بن یونس کے واسطہ سے یہ حدیث معلوم ہے اور فرمایا : میں اسے محفوظ نہیں سمجھتا۔ کہتے ہیں۔ اور یحییٰ ابن ابی کثیر نے عمر بن الحکم کے واسطے سے روایت کی ہے کہ ابوہریرہؓ کا یہ خیال نہیں تھا کہ قے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

خطابی کہتے ہیں : ابوداؤد نے ذکر کیا ہے کہ حفص بن غیاث نے ہشام سے اس کی روایت کی ہے جس طرح عیسیٰ بن یونس سے کی ہے وہ کہتے ہیں : مجھے نہیں معلوم کہ اس امر میں اہل علم میں کوئی اختلاف بھی ہے کہ جسے قے آجائے اس پر قضا واجب نہیں ہے اور جو

جان بوجھ کرقے کردے اس پر قضا واجب ہے البتہ کفارہ کے سلسلہ میں اختلاف ہے عام اہل علم کا کہنا ہے کہ قضا کے علاوہ کوئی چیز اس پر واجب نہیں ہے اور عطا کہتے ہیں : اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہے اور اوزاعی سے حکایت کی ہے اور یہ ابو ثور کا قول ہے

میں کہتا ہوں کہ پچھنا لگوانے والے پر کفارہ کے وجوب کے سلسلے میں جو ایک روایت احمد سے منقول ہے اس کا تقاضا یہی ہے ۔ اس لیئے کہ جب آپ نے پچھنا لگواتے پر قضا کو واجب قرار دیا ہے تو جان بوجھ کر قے کرنے والئے پر بدرجہ اولیٰ قضا واجب ہوگی لیکن ظاہری مسلک یہی ہے کہ کفارہ بغیر جماع کے واجب نہیں ہے ۔ جیسے امام شافعی اس کے قائل ہیں ۔

جن لوگوں نے اس حدیث کو ثابت نہیں مانا ہے انہیں کوئی ایسا سلسلہ معلوم نہ ہوسکا جس پر وہ اعتماد کر سکتے ۔ انہوں نے اس کی علت بھی واضح کردی ہے یعنی یہ کہ عیسیٰ بن یونس منفرد ہیں حالانکہ یہ

واضح ہو چکا ہے کہ وہ تنہا نہیں ہیں بلکہ حفص بن غیاث نے ان کی موافقت کی ہے[1] اور ایک دوسری حدیث اسی کی گواہی دیتی ہے۔

[1] شیخ الاسلام اس ترجیح کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ حدیث صحیح ہے اس لیے کہ جو علت بیان کی گئی ہے وہ پائی نہیں جاتی یعنی عیسیٰ بن یونس کا تنہا ہونا کیونکہ حفص بن غیاث نے ان کی موافقت کی ہے اور یہ دونوں شیخ الاسلام کے بقول ثقہ ہیں حجت ہیں۔ جن سے شیخین نے استدلال کیا ہے اور ان دونوں کے سلسلے سے ابن ماجہ (۱۶۷۶) نے حاکم (۱/ ۴۲۷) ہشام بن حسان کے واسطے سے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ:

"شیخین کی شرط کے مطابق حدیث صحیح ہے" اور ذہبی نے اس سے موافقت کی ہے، تاہم میں سمجھتا ہوں کہ حدیث صحیح ہے۔ حتیٰ کہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ عیسیٰ بن یونس تنہا ہیں تو بھی حدیث صحیح ہے کیونکہ وہ ثقہ ہیں مامون ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "التقریب" میں لکھا ہے اس لیے ان کا تنہا ہونا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بھلا یہ حدیث صحیح کیوں نہ ہو گی جب کہ ان کی موافقت بھی ہو گئی ہے۔

اور وہ روایت وہ ہے جیسے احمد اور اہل سنن جیسے ترمذی نے ابو درداءؓ کے واسطے سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کیا اور روزہ توڑ دیا۔ میں نے اس کا تذکرہ ثوبان سے کیا تو انہوں نے کہا: "انہوں نے صحیح کہا ہے۔ میں نے آپ کے لیئے وضو کا پانی انڈیل کر دیا تھا لیکن احمد کے الفاظ یہ ہیں: "رسول اللہ نے قے کیا پھر وضو کیا۔" احمد نے اس کی روایت حسین المعلم کے واسطے سے کی ہے[1]

---

[1] اسی طرح دوسری روائیتیں بھی آتی ہیں۔ مسند احمد (۶: ۴۴۳) کی یہ حدیث جو حسین کے طریق سے ہے یحییٰ ابن ابی کثیر کے واسطے سے مروی ہے وہ کہتے ہیں مجھے بتایا عبدالرحمن ابن عمرو الاوزاعی نے بواسطہ یعیش بن الولید بن ہشام اور انہیں بتایا ان کے باپ نے وہ کہتے ہیں مجھے بتایا معدان بن ابی طلحہ نے کہ ابو درداء نے انہیں بتایا "اللہ کے رسولؐ نے قے کیا پھر روزہ توڑ دیا۔" وہ کہتے ہیں کہ میں مسجد دمشق میں اللہ کے رسولؐ کے غلام ثوبان سے ملا اور میں نے کہا کہ ابو درداءؓ نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے قے کیا اور روزہ توڑ دیا، تو انہوں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اثرم کہتے ہیں: میں نے احمد سے کہا: لوگ اس حدیث کے بارے

نے کہا: وہ سمجھے ہیں: میں نے آپ کو وضو کا پانی انڈیل کر دیا تھا۔"

احمد کے نزدیک اصل الفاظ "قَاءَ فَأَفْطَرَ" ہیں لیکن لوگوں نے "قَاءَ فَتَوَضَّأَ" کو ان کی طرف منسوب کر دیا اور اس میں مؤلف نے اپنے دادا مجد الدین عبدالسلام کی پیروی کی ہے کیونکہ انھوں نے "المنتقی" میں اسی طرح نقل کیا ہے اور "رواہ احمد والترمذی" کی مہر بھی لگا دی ہے۔

اس غلط فہمی کی بنیاد یہ ہے کہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب "التحقیق" (۱: ۱۳۰) میں امام احمد کے طریق سے مذکورہ سند کے ساتھ حسین المعلم کے واسطے سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس میں الفاظ قَاءَ فَتَوَضَّأَ کے ہیں۔

ابو داؤد اور دارمی نے اور طحاوی نے اپنی دونوں کتابوں میں اور ابن الجارود دارقطنی، بیہقی، ان تمام لوگوں نے حسین کے طریق سے المسند کی روایت کی طرح روایت کی ہے البتہ ترمذی ان سے مختلف ہیں انھوں نے اسی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں مذبذب ہیں تو انہوں نے کہا: حسین المعلم اس کو صحیح بنا دیتے ہیں۔
اور ترمذی کہتے ہیں: حسین کی اس حدیث میں صرف یہ مذکور ہے

سلسلہ کو دوسرے الفاظ "قَاءَ فَتَوَضَّأ" سے روایت کی ہے لیکن مشہور محقق احمد شاکر رح نے ترمذی پر اپنے حواشی میں یہ ذکر کیا ہے کہ اس لفظ کے سلسلے میں ترمذی کے مختلف نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے کسی نسخے میں پہلے الفاظ ہیں اور کسی نسخے میں بعد کے الفاظ ہیں اور کسی نسخے میں ان دونوں کو جمع کر دیا ہے یعنی "قَاءَ فَأَفْطَرَ فَتَوَضَّأ" ہے۔

اس روایت کی شہادت اس روایت سے بھی ملتی ہے جو مسند (۶/۴۴۹) مطبوعہ مکتبہ اسلامی) میں دوسرے طریق سے بواسطہ یعیش بن الولید پوری سند کے ساتھ ابو درداؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں "اللہ کے رسولؐ نے قے کر دیا پھر روزہ توڑ دیا۔ آپ کے پاس پانی لایا گیا اور آپ نے وضو کیا" اور اس کے سارے رجال ثقہ ہیں اگر یہ مضطرب نہ ہوتی یا اضطراب کی وجہ نہ پائی جاتی جس کی

کہ آپ نے وضو کیا اور مجرد فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے وضو کرنا مسنون ہے اگر یہ کہا جائے کہ قے کے بعد وضو

طرف اثرم کا کلام اشارہ کر رہا ہے۔"

اس پوری جماعت کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو احمد (۵:۲۷۶) اور دوسرے لوگوں نے دوسرے طریق سے بواسطہ یعیش بواسطہ ابو شیبہ المہری کی ہے وہ کہتے ہیں۔ ثوبان نے کہا "میں نے اللہ کے رسول کو دیکھا کہ آپ نے قے کیا پھر روزہ توڑ دیا یہ یعیش معلوم نہیں کون ہیں اور نہ ان کے شیخ کا کچھ پتہ ہے۔ جیسا کہ ذہبی نے کہا ہے اور ابن حبان نے اپنے قاعدے کے مطابق ان دونوں کو ثقہ قرار دیا ہے اور انہی کی اتباع احمد شاکر نے کی ہے۔ انہوں نے بھی اس توثیق پر اعتماد کر کے اس سند کو صحیح قرار دیا ہے اور اس توثیق کی تنقید، جس کا تذکرہ علماء نے کیا ہے ان سے مخفی رہی جیسا کہ میں نے اس کی وضاحت بعض منتحلین حدیث کی تردید میں اپنے ایک رسالے میں کی ہے لیکن یہ چیز پہلی سند کے لیے شاہد ہونے

کرنا مستحب ہے تو اس میں حدیث پر عمل ہو جاتا ہے ۔ باب میں صحیح ترین حدیث ہے اسی سے انہوں نے قے کے بعد وضو کے وجوب پر استدلال کیا ہے حالانکہ اس سے وجوب معلوم نہیں ہوتا اس لیئے کہ اگر اس سے شرعی وضو مراد لیا ہے تو اسی طرح بعض صحابہ

سے اسے نہیں روک سکتی ۔

جب یہ ثابت ہو گیا تو مذکورہ تحریر کا خلاصہ یہ ٹھہرا کہ جماعت کی روایت ترمذی کی تیسری روایت کی مخالف نہیں ہے اور احمد کی روایت اس کی گواہی دیتی ہے اس لیئے کہ جماعت کی روایت ثوبان کے قول میں وضو پر بھی مشتمل ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ کے رسول نے قے کیا ، روزہ توڑ دیا اور وضو کیا ۔ اس مفہوم پر تمام روایات متفق نظر آتی ہیں ان میں کوئی اختلاف نہیں رہ جاتا ، رہی ابو شیبہ المہری کی روایت جس میں وضو کا ذکر نہیں ہے تو ضعیف الاسناد ہونے کے باوجود اپنے ماقبل کی روایت کی مخالفت نہیں کرتی ۔ جس میں وضو کا اضافہ ہے

سے نکلنے والے خون سے وضو کے واجب ہونے کے سلسلے میں بعض چیزیں آتی ہیں[1] لیکن اس میں وجوب پر دلالت کرنے والی کوئی

اس لیئے کہ ثقہ کا اضافہ قابل قبول ہے چاہے کسی دوسرے ثقہ نے اس کا ذکر نہ کیا ہو تو جس چیز کا اس میں تذکرہ نہیں ہے وہ ضعیف کیسے ہوگی۔

[1] مجھے نہیں معلوم کہ اس سلسلہ کی کوئی چیز صحابہ سے ثابت ہے۔ سوائے اس عمل کے جو عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں نکسیر کے بارے میں منقول ہے۔ مالک نے الموطا (۱:۳۸-۴۶) میں نافع سے روایت کی ہے کہ "عبداللہ بن عمرؓ کو جب نکسیر آتی تو واپس جاتے اور وضو کرتے پھر لوٹ آتے نماز مکمل کرتے اور کسی سے بات نہ کرتے۔"

مالک اور ان کے علاوہ ایک جماعت کے طریق سے بیہقی نے اس کی تخریج "السنن الکبریٰ" (۲:۲۵۶) میں کی ہے اور لکھا ہے کہ "یہ عمل ابن عمرؓ سے ثابت ہے اور علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مروی ہے" پھر انہوں نے علیؓ سے تین

دلیل نہیں ہے بلکہ استحباب پر دلالت کرتی ہے اور شرعی دلائل میں بھی کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جو وجوب کو بتلائے بلکہ دارقطنی وغیرہ نے

طرق سے روایت کی ہے جو سب ضعیف ہیں لیکن میں نے ان کا ایک چوتھا طریق پایا جس کی تخریج ابن ابی شیبہ نے "المصنف" (۲: ۱۴۔۱) میں کی ہے: ہمیں بتایا علی بن مسہر نے بواسطہ سعید بواسطہ قتادہ بواسطہ خلاس بواسطہ علیؓ وہ کہتے ہیں "جب نماز میں آدمی کو نکسیر پھوٹ جائے یا قے ہو جائے تو اسے وضو بنا لینا چاہیئے اور بات نہ کرے اور اپنی نماز مکمل کرے" یہ صحیح سند ہے گرچہ خلاس نے علیؓ سے نہیں سنا ہے جیسا کہ احمد وغیرہ نے کہا ہے۔ اور الجوہر النقی (۲: ۲۵۶) میں ابن ترکمانی کا قول ہے کہ: یہ صحیح کی شرط پر ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اپنے مجموعی طرق کے اعتبار سے صحیح ہے بلکہ یہی ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر ابن ترکمانی (۱: ۱۴۲، ۱۴۳) کہتے ہیں: اور ابن عبد البر کی

حمید بن انس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے پچھنا لگوایا اور وضو نہیں کیا۔ اور پچھنے کی جگہ کو دھونے سے

---

* "الاستذکار" میں ہے کہ: ابن عمرؓ کا معروف مسلک نکسیر سے وضو کا واجب ہونا ہے اور یہ وضو کو توڑ دیتی ہے جبکہ خون بہہ رہا ہو۔ اسی طرح جسم سے بہنے والے ہر خون کا یہی حکم ہے اس کے مثل علیؓ اور ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے کہ نکسیر اور جسم سے بہنے والا ہر خون حدث ہے۔"

میں کہتا ہوں: بہنے والے خون کا حکم نکسیر سے ملانا اور اس کی نسبت ابن عمرؓ سے کرنا اس روایت کی نفی کرتا ہے جو ابن ابی شیبہ نے بکر۔ ابن عبداللہ المزنی۔ سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

"میں نے ابن عمرؓ کو دیکھا انہوں نے اپنے چہرے کی ایک پھنسی اکھیڑ دی اور اس سے کچھ خون نکل آیا چنانچہ آپ نے اپنی انگلی سے اسے رگڑ دیا پھر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا"

اور اس کی سند صحیح ہے۔

زیادہ اور کچھ نہ کیا[1] اور ابن جوزی نے "حجۃ المخالفین" میں اس کی روایت کی ہے اور اسے ضعیف نہیں کہا

---

[1] اس کی تخریج دارقطنی (ص ۵۵، ۵۷) نے صالح بن مقاتل کے طریق سے کی ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے بتایا اُبی نے اور انہیں بتایا سلیمان بن داؤد ابو ایوب نے حمید کے واسطے سے اور ان کے الفاظ یہ ہیں :

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنا لگوایا، نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا اور پچھنے کی جگہوں کو دھونے سے زیادہ اور کچھ نہ کیا۔"

اور دارقطنی کے طریق سے بیہقی نے اس کی تخریج کی ہے (۱ : ۱۴۱) اور کہا ہے : اس کی سند میں ضعیف لوگ ہیں۔

میں کہتا ہوں : اور اس سے ان کی مراد صالح اور ان کے باپ سلیمان ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "لسان المیزان" میں لکھا ہے اور دارقطنی کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے صالح کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ "قوی نہیں ہے"

ہے۔ حالانکہ ان کی عادت یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے

ابن نافع کے شیوخ میں سے ہیں۔" اور زیلعی نے "نصب الرأیۃ" (۱: ۴۳) میں لکھا ہے کہ
"دارقطنی کہتے ہیں: صالح بن مقاتل قوی نہیں ہیں اور ان کے باپ
غیر معروف ہیں اور سلیمان بن داؤد مجہول ہیں۔"

حافظ نے "تلخیص الحبیر" (ص ۴۱) میں کہا ہے کہ:

"اس سند میں صالح بن مقاتل ہیں اور وہ ضعیف ہیں اور ابن عربی نے دعویٰ کیا ہے کہ دارقطنی نے اسے صحیح کہا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ انہوں نے "السنن" میں اس کے بعد ہی کہا ہے کہ صالح بن مقاتل قوی نہیں ہیں اور نووی نے ان کا تذکرہ ضعیف کی فصل میں کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: انہوں نے دارقطنی کے بارے میں جو لکھا ہے میں اسے "السنن" میں اشارہ کردہ دونوں جگہوں پر حدیث کے بعد نہ پا سکا شاید انہوں نے کسی تیسری جگہ اس کا ذکر کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

جرح کرتے ہیں لے

لے میں کہتا ہوں: ابن جوزی کی یہ عادت معمول نہیں ہے اس لیئے کہ بیشتر وہ حدیث کے کمزور ہونے کے باوجود اس کے سلسلے میں خاموش رہتے ہیں خاص طور سے جب ان کے مسلک کی تائید میں ہو۔ یہ حدیث ان کے مسلک کے خلاف ہے۔ حیرت ہے کہ اس حدیث کے کمزور ہونے اور اس کی بہت سی علتیں ہونے کے باوجود وہ اس پر خاموش رہے اور اس سے زیادہ حیرت اس پر ہے کہ شیخ الاسلام کو ان کی خاموشی سے حدیث کی صحت کی غلط فہمی ہو گئی اور ان کی پیروی ان کے شاگرد علامہ محمد بن عبدالهادی نے کی ہے جنہوں نے اپنی کتاب "تنقیح التحقیق لابن الجوزی" میں ابن الجوزی کے سکوت پر ان کا ساتھ دیا ہے (۱: ۱۳۵) پھر فقہی نقطہ نظر سے بھی ابن جوزی کی موافقت میں انہوں نے جواب دیا ہے اور لکھا ہے۔

"ہمارے ساتھی کہتے ہیں: اس بات کا احتمال ہے کہ آپ نے وضو

رہی وہ حدیث جو روایت کرتی ہے کہ "تین چیزیں روزہ نہیں توڑتی ہیں : قے، پچھنا لگوانا اور احتلام" اور دوسری روایت میں ہے کہ "ہرگز روزہ نہ توڑیں ، نہ وہ جو قے کر دیں، نہ وہ جنہیں احتلام آجائے، نہ وہ جو پچھنا لگوائیں" تو اس کی ثابت سند وہ ہے جو ثوری اور دوسرے لوگوں نے زید بن اسلم کے واسطہ سے پھر ان کے کسی ساتھی کے واسطہ سے پھر کسی صحابی رسولؐ کے واسطہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں : کہ اللہ کے رسولؐ نے یہ فرمایا اس کی روایت ابوداؤد

کیا ہو اور انس نے آپ کو وضو کرتے نہ دیکھا ہو! اس کا بھی احتمال ہے کہ آپ نے بھول کر نماز پڑھ لی ہو! اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اتنا خون نہ نکلا ہو جو روزہ توڑ دے۔"

یہ سارے احتمالات باطل ہیں۔ ضعیف کے ضعیف ہونے کا علم دے کر اللہ نے ہمیں اس کے ابطال کے لیے وقت لگانے سے بچا لیا۔ والحمد للہ علی توفیقہ۔

نے کی ہے اور یہ شخص گمنام ہے[1]۔ اس کی روایت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ سے انہوں نے عطا سے انہوں نے ابوسعید سے انہوں نے نبیؐ سے کی ہے لیکن عبدالرحمان علم رجال کے ماہرین کے نزدیک ضعیف ہیں[2]۔

میں کہتا ہوں: دو سلسلوں سے ان کی زید سے مرفوع روایت ان کی مرسل روایت کی مخالف نہیں ہے بلکہ اسے تقویت دیتی

---

[1] "نصب الرایۃ" (۲: ۴۴۸) میں ابوداؤد کی سند سے یہ شخص ساقط ہو گیا ہے۔ چنانچہ انہیں صحت سند کا وہم ہو گیا ہے۔ اس سے واقفیت ضروری ہے۔

[2] بلکہ یہ حد درجہ ضعیف ہیں اور یہ حدیث توسل آدم بالنبی کے راوی ہیں۔ جیسا کہ میں نے ان کا تذکرہ "الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ" ۲۵ میں کیا ہے۔

ہے[1]۔ اور حدیث زید بن اسلم کے واسطے سے صحیح ہے لیکن اس میں الفاظ

---

[1] میں کہتا ہوں یہ قابل غور ہے اس لیے کہ عبدالرحمٰن بن زید حد درجہ ضعیف ہیں جیسا کہ پچھلے صفحہ میں ابھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ امام طحاوی کہتے ہیں: "ان کی حدیثیں علماء حدیث کے نزدیک انتہا درجہ کی کمزور ہیں" اور نصب الرأیہ (۲ : ۴۷۰) کے مطابق ابن المدینی، ابن سعد اور ابن البزّار نے انہیں بہت ضعیف کہا ہے اس لیے جب موقع آتا ہے تو ان سے استدلال نہیں کیا جاتا اور یہاں انہیں صحیح سمجھا جا سکتا ہے، جب کہ انہوں نے ثوری جیسے ثقہ حافظ کی مخالفت کی ہے، جس آدمی کے بارے میں لوگوں کو ابہام تھا اسے انہوں نے عطا کا نام دیا ہے اور اس نام پر ہشام بن سعد نے ان کی موافقت کی ہے۔ لیکن صحابی کے نام کے سلسلے میں ان کی مخالفت کی ہے ثوری کہتے ہیں کہ زید بن اسلم کے واسطہ سے پھر عطار بن یسار کے واسطہ سے پھر ابن عباس کے واسطہ سے مرفوع حدیث ہے۔

دارقطنی (۲۳۹) نے اور ابن عدی نے "کامل" (ق ۱۵۹: ۲) میں اور ابو محمد المخلد نے الفوائد (ق ۲۸۹: ۱) میں اس کی تخریج کی ہے اور اسی طرح بزار نے دو طریقوں سے روایت کی ہے عن أبي خالد الأحمر سليمان بن حيان عن هشام اور ابن عدی نے کہا ہے:

"حدیث ہشام کے علاوہ مجھے اس اسناد کے بارے میں کوئی علم نہیں"

میں کہتا ہوں: اگرچہ اس کی تخریج مسلم نے کی ہے لیکن لوگوں نے ان کی حفظ کے سلسلے کلام کیا ہے اس لیئے مخالفت کے وقت ان سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لیئے حدیث کا ذکر کرنے کے بعد الحافظ "التلخیص" (ص ۱۹۰) میں کہتے ہیں: یہ معلول ہے یعنی ان کی طرف انگلی اٹھتی ہے اور حافظ ہیثمی نے "المجمع" (۳: ۱۷) میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

"بزار نے دو سندوں سے اس کی روایت کی ہے ان میں سے ایک کو صحیح قرار دیا ہے اور اس کا ظاہر صحت ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ اگر مخالفت نہ ہوتی تو صحیح تھی۔

لیکن اس حدیث کی شاہد حدیث ثوبان ہے اور ان سے اس حدیث کے دو طرق ہیں (۱) عن یزید بن عیاض عن ابی علی الفد کی عن ابی قاسم ابی عبد الرحمن عنہ۔ طبرانی نے "الاوسط" (۱: ۱۰۱-۱۰۲) میں اس کی تخریج کی ہے اور کہا ہے کہ "ثوبان سے صرف اسی سند کے ساتھ یہ مروی ہے۔"

میں کہتا ہوں: حافظ کہتے ہیں: "یہ کمزور سند ہے" اور میں کہتا ہوں کہ بہت ہی کمزور سند ہے اس لیئے کہ ابن عیاض پرلے درجے کا جھوٹا آدمی ہے جیسا کہ امام مالک وغیرہ نے کہا ہے (۲) عن أبی صالح عبد اللہ بن صالح عن اللیث عن خالد بن یزید عن سعید بن أبی ھلال عن ابن خصیفۃ عن ابن عدی عنہ۔ اس طریق کی تخریج طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۱: ۷۴/۱-۲) میں کی ہے۔ ابن خصیفہ یزید بن عبد اللہ بن خصیفہ کے طبقہ سے ہیں جس کی صحاح ستہ نے تخریج کی ہے اگر وہ نہیں تو مجھے نہیں معلوم پھر مجھے معلوم ہوا کہ یہ ابن جعدبۃ کا بدلا ہوا نام ہے۔ اس لیئے کہ اس کی تخریج

یہ ہیں: "جب اسے قے آجائے (اِذَا ذَرَعَهُ الْقَیْئُ)[1] متعدد لوگوں نے زید بن اسلم سے اس کی مرسل روایت کی ہے۔

" الرویانی" نے اپنی مسند (ج ۲۵ : ۱۳۴) میں عن ابی صالح بسندہ عن ابی ھلال عن ابن جدبۃ اللیثی کی ہے اور ابن جدبۃ وہی یزید بن عیاض ہے جو پہلے طریق میں ہے۔ گھوم کر بات وہیں آئی کہ یہ حدیث پرلے درجے کے جھوٹے شخص سے مروی ہے۔ اس لیئے اس سے استشہاد نہیں کیا جاسکتا۔

[1] میرے پاس جو اصول احادیث ہیں ان میں سے کسی میں بھی یہ اضافہ مجھے نہیں ملا بیہقی نے "المعرفۃ" میں لکھا ہے جیسا کہ "نصب الرایۃ" (۲ : ۴۴۶) میں ہے: "اس حدیث کو معمول کیا جائے گا اس شخص پر جسے قے آجائے تا کہ دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق ہو سکے" اگر یہ اضافہ حدیث زید بن اسلم کے کسی طریق میں ہوتا تو بیہقی ایسا کیوں کہتے۔ واللہ اعلم۔

یحیی بن معین کہتے ہیں: حدیث زید بن اسلم کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ جسے قے آ جائے اس لیئے کہ اسے احتلام سے ملا دیا ہے اور جس شخص کو بغیر اختیار کے احتلام ہو جائے جیسے سونے کی حالت میں تو یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

رہی حجامت (پچھنا لگوانا) کی حدیث تو یا تو ابن عباسؓ کی مندرجہ ذیل حدیث کے لیئے ناسخ ہو گی یا منسوخ وہ حدیث یہ ہے کہ "انہوں نے پچھنا لگوایا اور حالت احرام میں روزے سے تھے[1]" اور اس میں قے کا لفظ استعمال ہوا ہے اگر اسے

---

[1] حدیث کے یہ الفاظ بعض راویوں کے وہم کا نتیجہ ہیں۔ صحیح الفاظ یہ ہیں "آپ نے پچھنا لگوایا اور وہ حالت احرام میں تھے، آپ نے پچھنا لگوایا اور آپ روزے سے تھے" جیسا کہ بخاری اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ جیسا

استقاءۃ (جان بوجھ کر قے کرنا) کے معنی میں لے لیں تو شاید وہ منسوخ بھی ہو جائے اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ پچھنا لگوانے سے آپ نے جو رد کا تھا وہ بعد کے دور کا ہے اور جب قولی اور عملی نصوص میں تضاد ہو جائے اور ان میں سے کسی کو ایک اختیار کرنا اور دوسرے کو چھوڑنا پڑے تو قولی نص ہی کو ناسخ ماننا پڑے گا اور ان میں سے کسی کو ناسخ یا منسوخ ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی مثل دوسری روایات بھی ناسخ یا منسوخ ہو جائیں گی[1]

کہ اس حدیث پر تبصرہ و حاشیہ میں اس کا ذکر آئے گا جہاں مصنف نے اسے لفظ "صحیح" سے منسوب کیا ہے۔ اس رسالہ کے اختتام سے چند صفحات پہلے۔

[1] وَاَمَّا حدیث الحجامۃ سے لے کر نسخ قرینۃ تک کی ساتوں سطریں اصل میں لکن ھذا فیہ إذا ذرعہ القیئ کے بعد تھیں لیکن ہم نے اسے یہاں منتقل کر دیا کہ یہی زیادہ مناسب تھا۔

رہا وہ شخص جو منی نکالنے کی کوشش کرے اور انزال ہو جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ احتلام کے لفظ کا اطلاق اس حالت پر ہوتا ہے جب سوتے میں منی گر جائے۔

ایک گروہ کا کہنا ہے کہ قیاس تو یہ کہتا ہے کہ خارج ہونے والی کسی چیز سے روزہ نہیں ٹوٹنا چاہیئے اور جان بوجھ کر قے کرنے والے کا روزہ اس لیئے ٹوٹ جاتا ہے کہ کچھ کھانے کے لوٹ جانے کا اندیشہ رہتا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ حائضہ عورت کا روزہ ٹوٹ جانا بھی خلاف قیاس ہے۔

ہم نے اصول میں تفصیل سے گفتگو کی ہے کہ شریعت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو قیاس صحیح کے خلاف ہو۔

اگر یہ کہا جاتا ہے کہ: تم لوگ کہتے ہو کہ بغیر عذر کے جان بوجھ کر روزہ توڑ دینا کبائر میں شامل ہے، اسی طرح جو شخص بغیر کسی عذر کے دن کی نماز رات تک ٹال دیتا ہے تو وہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب

کرتا ہے اور وہ نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ علماء کے نمایاں تر قول کے مطابق: جیسے کوئی شخص جمعہ چھوڑ دے اور رمی جمار فوت کر دے اور دوسری متعین عبادات کو نظر انداز کر دے تو ان سب کی قضا کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ روایت بھی آتی ہے کہ رمضان میں جماع کرنے والے پر قضا واجب ہے۔؟

تو کہا جائے گا کہ قضا کا حکم اس لیئے دیا جاتا ہے کہ انسان کسی عذر کی وجہ سے قے کرتا ہے۔ جیسے مریض کو قے کے ذریعہ علاج کرنا پڑتا ہے۔ یا انسان اس وقت قے کرتا ہے جب اسے شبہ ہو کہ اس نے کیا چیز کھالی ہے جیسا کہ ابوبکرؓ نے کہانت کی کمائی

لہ سید رشید رضا کہتے ہیں: بخاری نے حدیث عائشہؓ روایت کی ہے کہ ابوبکرؓ کے پاس ایک غلام تھا جو کما کر لاتا تھا اور آپ اسے کھاتے تھے۔ ایک دن وہ

کو قے کر دیا تھا۔

اگر قے کرنے والا معذور ہو تو اس کا یہ فعل جائز ہے اور اس کا شمار ان مریضوں میں ہو گیا جو قضا کرتے ہیں اور کبائر کا ارتکاب کرنے والوں میں اس کا نام نہیں آئے گا۔ جو بغیر کسی عذر کے روزہ توڑ دیتے ہیں۔ رہا شب باشی کے لیئے قضا کا حکم تو یہ حدیث ضعیف ہے اور اسے بہتیرے حفاظ حدیث نے ضعیف کہا ہے۔ صحیحین میں ابو ھریرہؓ اور عائشہ رض کی احادیث ہیں اور متعدد سلسلوں کی ہیں لیکن کسی میں قضا

کچھ لے کر آیا اور آپ نے اسے کھا لیا۔ تب غلام نے کہا: جانتے ہیں وہ کیا چیز تھی؟ آپ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: دور جاہلیت میں آپ نے کسی آدمی کے لیئے کہانت کی تھی اسی نے یہ دیا ہے۔ آپ نے اپنی انگلی منہ میں ڈالی اور قے کر دی۔"

کا حکم نہیں ہے۔[1] اگر آپ نے قضا کا حکم دیا ہوتا تو یہ لوگ اسے

---

[1] یہ قابل غور ہے اس لیے کہ متعدد لوگوں نے اس کا ذکر کیا ہے اور اصل حدیث صحیحین اور دوسری کتابوں میں زہری کے طرق سے ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے حمید بن عبدالرحمن نے بتایا کہ ابو ہریرہؓ نے فرمایا:

"ایک دن ہم لوگ نبی اکرمؐ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا اس نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! میں ہلاک ہو گیا۔ آپ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا! "کیا تم غلام آزاد کر سکتے ہو؟ اس نے کہا، نہیں۔ آپ نے پوچھا، کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ ٹھہرا رہا۔ یہاں تک کہ نبیؐ کی خدمت میں کھجور کی ایک ٹوکری پیش کی گئی۔ آپؐ نے پوچھا: پوچھنے والا کہاں گیا؟ اس نے کہا: میں ہوں، آپؐ نے کہا: اس ٹوکری کو صدقہ کر دو۔ اس آدمی نے کہا۔ اسے اللہ کے رسولؐ!

نظر انداز ہرگز نہ کرتے کیونکہ یہ ایک شرعی حکم تھا جس کی وضاحت واجب

مجھ سے زیادہ محتاج کون ہے ؟ بخدا ان دونوں پہاڑیوں کے بیچ میں کوئی گھرانہ میرے گھر سے زیادہ محتاج اور مفلس نہیں ہے۔ نبیؐ ہنس پڑے یہاں تک آپؐ کے دانت نظر آگئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا : اچھا اسے اپنے گھر والوں کو کھلا دو" سیاق کلام بخاری کا ہے۔

اور بیہقی (۴/ ۲۲۶) نے ابو مروان کے طریق سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں ہمیں بتایا ابراہیم بن سعد نے اور وہ کہتے ہیں مجھے بتایا لیث بن سعد نے زہری کے واسطے سے، سند وہی ہے کہ نبیؐ نے اس سے کہا: اس کی جگہ تم ایک دن کا روزہ رکھو۔ اور بیہقی کہتے ہیں ،

اور اسی طرح ہے عن عبد العزیز الدراوردی عن ابراھیم ابن سعد اور ابراہیم بن سعد نے زہری سے حدیث سنی ہے لیکن انہوں نے ان الفاظ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ بس لیث بن سعد بواسطہ زہری اور ابواویس

بھی جب آپ نے قضا کا حکم نہیں دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی

المدنی بواسطہ زہری ان الفاظ کا پتہ چلتا ہے ۔

میں کہتا ہوں: ابو مروان کا نام محمد بن عثمان بن خالد اموی ہے اور وہ سچے ہیں لیکن غلطی کر جاتے ہیں لیکن دراوردی نے ان کی موافقت کی ہے۔ جیسا کہ بیہقی نے ذکر کیا ہے۔ اس طرح وہ خطا سے محفوظ ہو گئے۔ اسی طرح ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں ابراہیم بن سعد کے واسطہ سے تخریج کی ہے جیسا کہ "التلخیص" میں ہے

اور ابو اویس کی روایت کی تخریج دار قطنی (۲۵۱) اور بیہقی نے کی ہے

اور ابو اویس کا نام عبداللہ بن عبداللہ بن اویس ہے اور وہ سچے ہیں لیکن وہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان سے مسلم نے استدلال کیا ہے ۔

ان کی موافقت عبدالجبار بن عمر الایلی نے کی ہے اور وہ قوی نہیں ہیں جیسا کہ بیہقی نے کہا ہے ان کی متابعت ہشام بن سعد نے بھی کی ہے۔ البتہ حمید بن عبدالرحمٰن کی جگہ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن کا نام لیا ہے۔ اس کی تخریج ابو داؤد

قضا قبول نہ ہوگی۔ اس کا مفہوم یہ ہوگا اس نے بھول کر یا نادانستہ نہیں بلکہ جان بوجھ کر روزہ توڑا ہے۔

جو بھول چوک کر شب باشی کرلے اس کے سلسلہ میں احمد اور دوسروں کے ہاں تین اقوال ملتے ہیں اور تین روایات بھی ہیں۔

(۲۳۹۳) نے دار قطنی نے (۲۵۲) بیہقی (۴: ۲۲۶-۲۲۷) نے کی ہے اوران ہشام کے اندر حافظہ کے اعتبار سے ضعف پایا جاتا ہے۔ جس کا تذکرہ پیچھے آچکا ہے۔

اور امام مالکؒ (۱: ۲۹۷-۲۹) کے یہاں سعید بن مسیّب کی مرسل روایت اور نافع بن جبیر اور محمد بن کعب کی مرسل روایات سے مندرجہ بالا روایت کی شہادت ملتی ہے۔ آخر الذکر دونوں مرسل روایات کا تذکرہ حافظ نے الفتح (۴-۱۵۰) میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ "ان تمام طرق کے مجموعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اضافہ کی اصل ہے۔"

(۱) نہ کوئی قضا ہے نہ کفارہ اور یہ شافعی، ابوحنیفہ اور بہتیرے لوگوں کا قول ہے۔

(۲) اس پر قضا واجب ہے کفارہ نہیں۔ امام مالک کا قول ہے

(۳) اس پر کفارہ بھی ہے اور قضا بھی۔ اور یہ امام احمد کا مشہور قول ہے۔

پہلا قول بالکل واضح ہے اور وہ اپنی جگہ پر بالکل نمایاں ہے اس لیے کہ کتاب وسنت سے ثابت ہے کہ جو شخص کسی پابندی کو غلطی سے یا بھول کر توڑ ڈالے تو اللہ اس کا مواخذہ نہیں کرے گا اس وقت اس کی حیثیت گویا غلطی نہ کرنے والے کی ہوئی۔ اس لیے اس پر کوئی گناہ بھی نہیں آئے گا اور جس پر کوئی گناہ نہ آئے، ایسے نافرمان یا ممنوع حکم کا مرتکب کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اس وقت اس کی حیثیت یہ ہوئی کہ اس نے مامور پر عمل کیا اور ممنوع کو ترک کر دیا اس طرح کی غلطی سے عبادت باطل نہیں ہوتی۔ عبادت اس وقت

باطل ہوتی ہے جب کسی حکم کو انجام نہ دیا جائے یا ممنوعہ احکام کا ارتکاب کر ڈالا جائے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بھول کر یا غلطی سے حج کی پابندیاں ٹوٹ جائیں تو حج باطل نہیں ہوتا یہاں تک کہ بھول کر یا نادانستہ جماع کر لینے سے بھی، یہی امام شافعی کا واضح ترین قول ہے۔

کفارہ اور فدیہ تو اس لیئے واجب ہوتا ہے کہ جو چیز تلف ہو گئی ہے یہ اس کا بدل ہے جیسے اگر بچہ یا سونے والا یا مجنوں تلف کر دے تو اس کا تاوان اسے دینا پڑتا ہے۔ اور بھول کر یا نادانستہ شکار کرنے والے پر جو فدیہ واجب ہوتا ہے وہ دراصل غلطی سے قتل کرنے کی دیت کی منزلت میں ہے اور اس کے قتل سے واجب ہونے والا کفارہ قرآن اور اجماع کے نص سے ثابت غلطی ہے۔

رہیں دوسری پابندیاں تو وہ اس باب سے متعلق نہیں ہیں جیسے: ناخن تراشنا، مونچھ کاٹنا، خوشبو اور لباس کا استعمال وغیرہ۔ اگر وہ

فدیہ دے گا تو یہ فدیہ ممنوعات کی فدیہ کی جنس سے ہوگی یہ شکار جو بدل پر مشتمل ہے، کی منزلت میں نہیں ہوگی بھول چوک کرنے والے اور نادان غلطی کر جانے والے کے سلسلے میں نمایاں اور واضح ترین فتویٰ یہ ہے کہ اگر وہ کوئی ممنوع کام کر ڈالے تو اسے شکار کو چھوڑ کر بقیہ کسی کا تاوان نہیں دینا ہے۔

اس میں لوگوں کے مختلف اقوال ہیں۔

ایک قول اوپر کا ہے جو اہل ظاہر کا قول ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ نسیان کی حالت میں سب کا تاوان دینا ہوگا یہ ابو حنیفہ کا قول ہے امام احمد کا بھی ایک قول ہے اور قاضی اور ان کے ساتھیوں نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ جن چیزوں میں اتلاف ہوتا ہے۔ جیسے شکار کا قتل، حلق کرانا، ناخن کاٹنا اور جن میں اتلاف اور بربادی نہیں ہوتی جیسے خوشبو اور لباس کا استعمال، ان دونوں کے درمیان فرق کیا جائے

یہ امام شافعی کا قول ہے۔ امام احمد کا دوسرا قول ہے اور ان کے ساتھیوں کے گروہ نے اسے اختیار کیا ہے اور یہ قول دوسرے اقوال کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے۔ لیکن بال اور ناخن کا کاٹنا، لباس اور خوشبو سے متعلق ہے قتل صید سے نہیں۔ یہ زیادہ اچھا ہے۔

چوتھا قول یہ ہے، قتل صید ایک غلطی ہے جس پر کوئی تاوان نہیں ہے یہ امام احمد کا ایک اور قول ہے۔ اس قول کی بنیاد پر بال اور ناخن بدرجہ اولیٰ نکل جاتے ہیں۔

اسی طرح اس کے حق میں یہ بات بھی جاتی ہے کہ روزہ دار بھول چوک کر یا غلطی سے کھالے یا پی لے یا شب باشی کرے تو اس پر کوئی قضا واجب نہیں ہے یہ سلف و خلف کے ایک گروہ کا قول ہے۔ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ بھول چوک کر یا غلطی سے ان چیزوں کے ارتکاب کرنے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے جیسے امام مالکؒ ہیں اور امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں، یہ قیاس ہے لیکن اس کی

مخالفت کی ہے بھول جانے والے کے حق میں۔ حدیث ابوہریرہؓ کے وارد ہونے کی وجہ سے[1]۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ: بھول جانے والے کا روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن غلطی کر جانے والے کا ٹوٹ جاتا ہے اور یہ ابوحنیفہ، شافعی اور احمد کا قول ہے۔ ابوحنیفہ بھول جانے والے کو استحسان کی جگہ میں رکھتے ہیں۔ شافعی مسلک کے پیرو اور احمد کہتے ہیں: نسیان سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اس لیئے کہ اس سے بچنا ممکن ہی نہیں ہے لیکن اس کے برخلاف یہ ممکن ہے کہ اس وقت تک افطار نہ کرے جب تک سورج کے غروب ہوجانے کا اسے یقین نہ ہوجائے اور جب بھی طلوع فجر کا اسے شک ہو کھانا پینا روک دے۔

---

[1] حدیث کے الفاظ ہیں" اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: روزے کی حالت میں جو بھول جائے اور کھالے یا پی لے تو وہ اپنا روزہ پورا کرلے اس لیئے کہ اسے اللہ نے کھلا دیا اور پلا دیا ہے" متفق علیہ۔

یہ تفریق کمزور ہے۔ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اس لیئے کہ روزہ دار کے لیئے سنت یہ ہے کہ افطار میں جلدی کرے، اور سحری میں تاخیر کرے اور جب بدلی چھائی ہوئی ہو تو وہ یقین حاصل نہیں ہو سکتا جس میں شک نہ شامل ہو اِلّا یہ کہ لمبا وقت گزر جائے جس میں مغرب کی نماز بھی فوت ہونے لگے اور اس کے ساتھ افطار میں جلدی کرنے کا حکم بھی فوت ہو جائے۔ مغرب کی نماز کی جلد ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے اگر اس پر غروب آفتاب کے سلسلے میں شک ہو جائے تو یقین کی حد تک مغرب کو موخر کرے گا اور بسا اوقات شفق کے غروب تک وہ اسے موخر کر دے گا لیکن اسے غروب آفتاب کا یقین نہ آ سکے گا۔

ابراہیم نخعی اور دوسرے اسلاف سے منقول ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے کہ بدلی کے دنوں میں لوگ مغرب کو دیر سے پڑھنا اور عشاء کو جلد پڑھ لینا مستحب سمجھتے تھے۔ اسی طرح

ظہر کو آخری وقت میں اور عصر کو اول وقت میں ادا کرتے تھے اور احمد اور دوسرے لوگوں نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ان کے بعض ساتھیوں نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ احتیاط کے پیش نظر ایسا کرتے تھے لیکن معاملہ یوں نہیں ہے اس لیے کہ عصر اور عشاء میں تو یہ چیز احتیاط کے خلاف معلوم ہوتی ہے، یہ جمع بین الصلاتین اس لیے مسنون ہے کہ ان دو نمازوں کو عذر کی وجہ سے اکٹھا کر لیا جاتا ہے اور بدلی بھی عذر کے قائم مقام ہے۔ اس لیے پہلی نماز بالکل آخری وقت میں اور دوسری نماز بالکل اولین وقت میں ادا کی جاتی تھی اور اس میں دو مصلحتیں تھیں۔

۱۔ تاکہ لوگوں کو آسانی ہو جائے اور بارش کے خوف سے ایک ہی بار انہیں ادا کر لیں۔ جس طرح کہ بارش کی حالت میں ادا کرتے ہیں

۲۔ مغرب کے وقت کا ہو جانا یقینی ہو جائے۔ اسی طرح ظہر اور عصر کو واضح تر قول کے مطابق جمع کرتے تھے اور یہی امام

احمد سے بھی ایک روایت آتی ہے۔ ان دونوں نمازوں کو کیچڑ اور بارش اور سخت ٹھنڈک کی وجہ سے جمع کرتے تھے۔ یہی علماء کا واضح تر قول ہے اور امام مالک کا قول یہی ہے اور امام احمد کے مسلک میں بھی واضح ترین یہی قول ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عصر اور عشاء کو مقدم کرنے کی غلطی، ظہر اور مغرب کو مقدم کرنے کی غلطی سے بہتر ہے۔ اگر آخر الذکر دونوں نمازوں کو وقت سے پہلے ادا کرے تو کسی حال میں وہ جائز نہ ہوگی۔ اس کے خلاف ظہر اور مغرب کے اوقات میں ان دونوں نمازوں کی ادائیگی جائز ہے اس لیے کہ معذوری کی حالت میں وہی ان کا وقت ہے۔ اور اشتباہ کی حالت معذوری کی حالت ہے۔ اس لیے اشتباہ کے ساتھ دو نمازوں کو جمع کرنا بہتر ہے اس سے کہ شک کے ساتھ نماز پڑھ لی جائے۔

یہ ہے وہ احتیاط جس کا اوپر تذکرہ ہوا ہے لیکن یہ احتیاط

وقت مشترک میں نماز کے تیقن کے ساتھ ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ فجر میں استحباب کا کہیں ذکر نہیں ہے نہ ہی عشاء اور عصر میں۔ اگر اس اندیشہ کی وجہ سے جمع کیا جاتا کہ کہیں نماز وقت سے پہلے نہ ہو جائے تو فجر میں بھی اور عشاء میں بھی اس کو اپنایا جاتا۔

جب کہ احادیث میں بدلی کے دن عصر کی نماز پہلے پڑھ لینے کا حکم ہے۔ اللہ کے رسولؐ فرماتے ہیں۔ "بدلی کے دن نماز جلد ادا کرلو اس لیے کہ جس نے عصر کی نماز ترک کر دی تو اس کا سارا کیا کرایا غارت ہو گیا"۔[1]

---

[1] اس سیاق میں یہ حدیث کمزور ہے۔ اس کی تخریج احمد (۵ : ۳۶۱) نے ابن ماجہ (۶۹۴) نے بواسطہ اوزاعی بواسطہ یحیی ابن ابی کثیر بواسطہ ابو قلابہ بواسطہ ابوالمہاجر بواسطہ بریدہ کی ہے وہ کہتے ہیں "ہم آپ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے میں نے اللہ کے رسولؐ کو یہ کہتے سنا" بکروا بالصَّلوٰۃِ فی یومِ الغیم

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ : اگر بدلی کے دن مغرب کی نماز تاخیر کے ساتھ پڑھنے کو مستحب قرار دیا گیا ہے تو افطار کو بھی اسی طرح موخر کرنا چاہیئے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ مغرب کی تاخیر عشار کی تقدیم کے ساتھ اس طرح مستحب ہے کہ شفق غائب ہونے سے پہلے اسے پڑھ لے، اگر اسے اتنی دیر تک مؤخر کر دیا گیا کہ شفق غائب ہو جائے تو یہ مستحب نہیں ہے اور اس حد تک افطار کو موخر کرنا مستحب نہیں ہے۔

اس لیئے بارش کے دن مسنون طریقہ یہی ہے کہ مغرب کے وقت میں تقدیم کر کے نماز پڑھی جائے شفق کے غائب ہونے تک

فانه من فاتته صلوٰة العصر فقد حبط عمله (یعنی بدلی کے دن نماز اول وقت پر ادا کرو اس لیئے کہ جس کی عصر کی نماز فوت ہوگئی اس کا سارا کیا کرایا غارت ہوگیا۔)

مغرب کو مؤخر کرنا مستحب نہیں ہے بلکہ اس میں لوگوں کے لیئے بڑی زحمت ہے۔ شریعت نے جمع کو اسی لیئے جائز کہا تاکہ مسلمان تنگی میں مبتلا نہ ہوں۔

اور یہ بات بھی ہے کہ مستحب تقدیم و تاخیر یہ نہیں ہے کہ ان دونوں کو ملا دیا جائے بلکہ مستحب یہ ہے کہ ظہر کو مؤخر کیا جائے اور عصر کو مقدم کیا جائے چاہے ان دونوں کے درمیان زمانی فصل ہو اسی طرح مغرب اور عشا میں ہو۔ اس طرح کہ لوگ ایک نماز پڑھ لیں اور دوسری کا انتظار کریں انہیں دوبارہ گھر جا کر واپس نہ آنا پڑے اسی طرح جمع کے جواز کے لیئے مسلسل نماز پڑھتے رہنا شرط نہیں ہے جس کا تذکرہ ہم نے دوسرے مقامات پر کیا ہے۔

پھر صحیح البخاری میں اسماء بنت ابوبکرؓ سے صحیح و ثابت حدیث ہے وہ کہتی ہیں کہ: "رسولؐ کے زمانے میں بدلی کے دن رمضان میں ایک دن ہم نے افطار کیا پھر سورج نکل آیا" اس سے دو باتیں معلوم

ہوتی ہیں: بدلی کے دن غروب کے یقینی ہونے تک افطار کو مؤخر کرنا مستحب نہیں ہے اس لیئے کہ صحابہ نے ایسا نہیں کیا اور نبیؐ نے انہیں اس کا حکم نہیں دیا اور اپنے دور کے نبی کے ساتھی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے متعلق بعد کے دور کے لوگوں سے زیادہ جانتے تھے اور سب سے زیادہ ان کی اطاعت کرتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قضا واجب نہیں ہے۔ اس لیئے کہ نبیؐ نے اگر قضا کا حکم دیا ہوتا تو یہ بات عام ہوتی اور یہ چیز منتقل ہوتی جس طرح ان کا افطار کرنا منتقل ہو کر ہم تک پہنچا ہے۔ جب ایسی کوئی چیز منقول نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس کا حکم نہیں دیا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ: ہشام بن عروہ سے پوچھا گیا: کیا قضا کا حکم دیا گیا تھا۔؟ تو انہوں نے جواب دیا: کیا قضا سے نجات کی کوئی سبیل بھی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ ہشام کی تنہا رائے ہے

جو انہوں نے حدیث کو سامنے رکھ کر دی ہے۔ اس معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ معمر نے ان سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں: میں نے ہشام کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے نہیں معلوم لوگوں نے قضا کی تھی یا نہیں، انہوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور بخاری نے ان سے اس کا ذکر کیا ہے اور حدیث کی روایت انہوں نے ان کی بیوی فاطمہ بنت المنذر اور انہوں نے اسماء سے کی ہے

ہشام نے اپنے باپ عروہ سے روایت کی ہے کہ لوگوں کو قضا کا حکم نہیں دیا گیا تھا اور عروہ اپنے بیٹے سے زیادہ واقف حال تھے۔ یہ اسحاق بن راہویہ کا قول ہے اور احمد نے کہا ہے "قیاس یہ ہے کہ وہ روزہ نہیں توڑے گا۔ ہم نے اسے صرف قول عمر کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا اور اسحاق بن راہویہ، احمد بن حنبل کے ساتھی ہیں ان کے اصول و فروع ان کے مسلک کی موافقت میں ہیں اور ان دونوں کی اکثر مسائل میں مطابقت ہے اور کو سچ

نے اپنے مسائل احمد اور اسحاق سے پوچھے۔ اسی طرح حرب کرمانی نے اپنے مسائل احمد اور اسحاق سے دریافت کیے۔ اسی لیے ترمذی احمد اور اسحاق کے قول کو جمع کرتے ہیں اور ان دونوں کے قول کی روایت کو سج کے مسائل سے کی گئی ہے۔

اسی طرح ابوزرعہ، ابوحاتم، ابن قتیبہ اور دوسرے آئمہ اہل سنت وحدیث احمد اور اسحاق کے مسلک کو سمجھتے تھے اور ان دونوں کے قول کو دوسرے تمام اقوال پر مقدم رکھتے تھے اور آئمہ حدیث جیسے بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، وغیرہ بھی ان دونوں کے پیروکاروں میں سے ہیں اور ان سے علم و فقہ حاصل کیا ہے اور داؤد اسحاق کے ساتھیوں میں سے ہیں۔

احمد بن حنبل سے اسحاق کے بارے میں پوچھا جاتا تو کہتے: میں اسحاق سے پوچھتا ہوں۔ اسحاق مجھ سے پوچھتے ہیں۔

اور شافعی، احمد بن حنبل، اسحاق، ابو عبید، ابوثور، محمد بن نصر المروزی

داؤد بن علی اور دوسرے لوگ سب فقہاء حدیث ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین
اور اللہ تعالیٰ بھی اپنی کتاب میں کہتا ہے۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ (بقرۃ: ۱۸۷)

(تمہارے لیے روزے کے زمانے میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے

لیئے لباس ہو۔ اللہ کو معلوم ہو گیا کہ تم لوگ چپکے چپکے اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے، مگر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا، اور تم سے درگزر فرمایا۔ اب تم اپنی بیویوں سے شب باشی کرو اور جو لطف اللہ نے تمہارے لیئے جائز کر دیا ہے اسے حاصل کرو نیز راتوں کو کھاؤ پیؤ یہاں تک کہ تم کو سیاہی شب کی دھاری سے سپیدۂ صبح کی دھاری نمایاں نظر آ جائے۔ تب یہ سب کام چھوڑ کر رات تک اپنا روزہ پورا کرو اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو بیویوں سے مباشرت نہ کرو یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں۔ ان کے قریب نہ پھٹکنا، اسی طرح اللہ اپنے احکام لوگوں کے لیئے بصراحت بیان کرتا ہے، توقع ہے کہ وہ غلط رویے سے بچیں گے۔)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت احادیث کے ساتھ یہ آیت بتاتی ہے کہ ظہور فجر تک کھانے پینے کا حکم دیا گیا ہے۔
طلوع فجر میں شک ہونے کے باوجود کھانے پینے کا حکم دیا

گیا ہے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جائے۔ جیسا کہ اپنے مقام پر اس سلسلے میں تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے۔

فصل

سرمہ لگانا، حقنہ (پاخانے کے راستے سے پیٹ تک دوا پہنچانا) کا استعمال کرنا، تقطیر (پیشاب کے راستے سے اندر دوا داخل کرنا) مامومہ (جس کا سر کچل دیا گیا ہو) اور جائفہ (ایسا زخم لگے جو پیٹ تک پہنچ جائے) کا علاج کرنا، یہ وہ چیزیں ہیں جن کے سلسلے میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔

کچھ لوگ ان میں سے کسی چیز کو روزہ کے لیئے ناقض نہیں مانتے کچھ علماء سرمہ کو چھوڑ کر بقیہ تمام چیزوں کو ناقض روزہ کہتے ہیں۔ کچھ لوگ تقطیر کے سوا ساری چیزوں کو ناقض کہتے ہیں اور کچھ اہل علم ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ سرمہ لگانے سے روزہ ٹوٹتا ہے نہ تقطیر سے اور بقیہ تمام چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے۔

سب سے واضح قول یہ ہے کہ ان میں سے کوئی چیز روزہ نہیں توڑتی اس لیئے کہ روزے کا تعلق دین اسلام سے ہے جس کی خاص وعام تمام چیزوں کی معرفت ضروری ہے اگر یہ امور اللہ کے حرام کردہ ہوتے اور اللہ نے روزہ دار کو ان سے روکا ہوتا اور ان سے روزہ فاسد ہو جاتا تو رسولؐ کے اوپر واجب تھا کہ اس کی وضاحت کر جاتے اور اگر آپ نے اس کا ذکر کیا ہوتا تو صحابہؓ اس سے ضرور واقف ہوتے اور اسے امت تک پہنچاتے جس طرح شریعت کی تمام تفصیلات پہنچائی ہیں۔ چونکہ کسی اہل علم نے نبیؐ سے اس سلسلے میں کچھ بھی نقل نہیں کیا۔ نہ صحیح حدیث نہ ضعیف اور نہ مسند اور نہ مرسل، اس لیئے معلوم ہوا کہ آپ نے اس طرح کی کوئی چیز بیان نہیں کی۔ سرمہ کے سلسلہ میں جو حدیث مروی ہے وہ کمزور ہے، ابوداؤد نے سنن میں اس کی روایت کی ہے، اور ان کے علاوہ کسی دوسرے نے اس حدیث کی روایت نہیں کی نہ

وہ مسند احمد میں نہ دوسری معتمد کتابوں میں۔

ابوداؤد کہتے ہیں حدثنا النفیلی، ثنا علی بن ثابت قال حدثنی عبدالرحمن بن النعمان[1] بن معبد بن ھوذۃ عن ابیہ عن جدہ عن النبیؐ "آپ نے سوتے وقت اِثمد (ایک قسم کا پتھر جس سے سرمہ تیار کیا جاتا ہے) استعمال کرنے کا حکم دیا کہ یہ راحت بخش ہے اور فرمایا" روزہ دار کو اس سے بچنا چاہیئے۔" اور ابوداؤد کہتے ہیں: مجھ سے یحییٰ بن معین نے کہا: یہ حدیث منکر ہے۔

المنذری کہتے ہیں: اور عبدالرحمن ضعیف ہیں۔ اور ابو حاتم رازی کہتے ہیں: وہ سچے ہیں لیکن کون ان کے والد اور ان کی عدالت اور

---

[1] یہ حدیث ضعیف ہے اور اس کی علت النعمان بن معبد ہیں جیسا کہ اس کی طرف المنذری نے اشارہ کیا ہے اور وہ ان کے بقول "غیر معروف" ہیں اور "تقریب" میں "انہیں مجہول الحال" کہا گیا ہے۔

ان کے حافظہ کے متعلق جانتا ہے ؟

یہی حال معبد کا ہے۔ یہ ایک دوسری ضعیف حدیث سے ٹکرا رہی ہے جس روایت نے اس کی سند کے ساتھ الحسن بن مالک سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ہمیں عبدالاعلیٰ بن واصل نے بتایا، وہ کہتے ہیں ہمیں حسن بن عطیہ نے بتایا انہیں ابو عاتکہ نے بتایا انس بن مالک کے حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ : ایک آدمی نبیؐ کی خدمت میں آیا اور اس نے سوال کیا، میری دونوں آنکھوں میں تکلیف ہے کیا میں روزہ ہوتے ہوئے سرمہ لگا سکتا ہوں ؟ آپ نے فرمایا : "ہاں" ترمذی کہتے ہیں اس کی سند قوی نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں کچھ بھی منقول نہیں ہے اور ابو عاتکہ ضعیف ہیں۔ یہ ترمذی کی باتیں ہیں۔ اس شخص کے سلسلے میں بخاری کہتے ہیں کہ " یہ منکر حدیث ہے" اور نسائی کہتے ہیں کہ: ثقہ نہیں ہے۔ اور رازی کہتے ہیں کہ " اس سے حدیثیں غائب ہو

جاتی ہیں[1]

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ : حقنہ لینا اور ماموبہ اور جائفہ کا علاج کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے ان کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] میں کہتا ہوں : اس کا نام طریف بن سلیمان یا سلیمان بن طریف ہے الحافظ اس کے بارے میں کہتے ہیں : ضعیف ہے اور سلیمان نے اس میں مبالغہ کیا ہے " میں کہتا ہوں کہ امام بخاری ان سے بھی آگے ہیں کیونکہ وہ اس شخص کو منکر حدیث کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ ذہبی کی " المیزان " اور حافظ ابن کثیر کی " اختصار علوم الحدیث " وغیرہ میں ہے۔

یہ حدیث ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے جس میں انس رضی اللہ عنہ کا فعل ہے کہ وہ روزہ کی حالت میں سرمہ لگاتے تھے ، ابوداؤد نے سند حسن کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے اور حافظ " تلخیص " میں کہتے ہیں کہ " حرج نہیں کہ اسے قبول کر لیا جائے " (ص ۱۸۹)

کی جانب سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ انہوں نے محض قیاس سے کام لے کر اس رائے کا اظہار کیا ہے۔ ان کی سب سے مضبوط دلیل جس سے وہ استدلال کرتے ہیں یہ ہے: "ناک میں پانی خوب ڈال لیا کرو الّا یہ کہ تم روزے سے ہو" (حدیث) اس سے انہوں نے یہ بات نکالی کہ دماغ تک جو بھی چیز پہنچے، روزہ توڑ دے گی۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جو چیز پیٹ میں پہنچ جائے، روزہ توڑ دے گی۔ جیسے حقنہ، تقطیر وغیرہ، چاہے وہ کھانے اور غذا کی جگہ جائے یا پیٹ کے اندر کہیں اور جائے۔

جن لوگوں نے تقطیر کو مستثنیٰ کیا ہے وہ کہتے ہیں: تقطیر پیٹ تک اثر نہیں کرتی اس میں تو صرف ٹپکایا جاتا ہے۔ احلیل (پیشاب کا سوراخ) میں جانے والی چیز، ایسی ہی ہے جیسے ناک یا منہ میں چلی جائے۔

جنہوں نے سرمہ کو مستثنیٰ کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ: آنکھ

قبل (آگے کی شرمگاہ) اور دبر (پیچھے کی شرمگاہ) کی طرح گزرگاہ نہیں ہے بلکہ وہ سرمہ پی لیتی ہے جیسے جسم تیل اور پانی پی لیتا ہے۔
اور جو سرمہ کو ناقض روزہ کہتے ہیں وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ سرمہ انسان کے اندر تک نفوذ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان کی ناک سے پانی بہنے لگتا ہے اس لیے کہ آنکھ کے اندر وہ گزرگاہ ہے جو حلق کے اندر تک جاتی ہے۔
جب لوگوں کی دلیل اس طرح کے قیاسات ہیں تو ان کی وجہ سے متعدد اسباب کی روشنی میں روزہ فاسد نہیں ہوگا۔
پہلا سبب یہ ہے کہ قیاس اگر حجت ہے تو اسے صحت کی شرائط پوری کرنی چاہیئے۔ ہم اصول میں کہہ چکے ہیں کہ نصوص نے تمام شرعی احکام کی وضاحت کردی ہے اگرچہ اس پر قیاس صحیح ہلکے انداز میں دلالت کر رہا ہو۔
جب ہمیں معلوم ہے کہ اللہ کے رسول نے کسی چیز کو حرام

نہیں کہا ہے نہ اسے واجب کیا ہے تو اس سے معلوم ہوگیا کہ وہ حرام ہے نہ واجب اور یہ کہ اس کے وجوب یا تحریم کو ثابت کرنے والا قیاس فاسد ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ کتاب وسنت میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جو ان چیزوں کے روزہ توڑ دینے پر دلالت کرتی ہو تو اس سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے کہ یہ چیزیں روزہ کو نہیں توڑتی ہیں۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ جن احکام کی معرفت امت کے لیئے ضروری تھی ان کی عام وضاحت رسول اکرمؐ کے لیئے ناگزیر تھی اور ضروری تھا کہ امت اسے نقل کرے جب ایسی بات نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ یہ دین میں شامل نہیں ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جیسا کہ معلوم ہے۔ رمضان کے علاوہ کسی اور مہینے میں روزہ رکھنا فرض نہیں قرار دیا گیا بیت الحرام کو چھوڑ کر کسی اور گھر کا قصد کرنا واجب نہیں ہے۔ رات و دن میں صرف پانچ وقت کی نمازیں فرض

ہیں محض عورت کی ملاقات کی وجہ سے (مباشرت اور انزال کے بغیر) غسل کو واجب نہیں کیا گیا نہ بڑی گھبراہٹ اور خوف کی وجہ سے وضو کو واجب کیا گیا (اگرچہ خروج کا اندیشہ رہتا ہے) نہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کے بعد دو رکعتیں مسنون قرار دی گئیں جس طرح کہ بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد دو رکعتوں کی ادائیگی مسنون ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منی نجس نہیں ہے۔ اس لیے کہ اسی سلسلے میں کسی سے کوئی ایسی سند منقول نہیں ہے جس سے استدلال کیا جا سکے کہ آپؐ نے مسلمانوں کو منی سے اپنے بدن اور کپڑے دھونے کا حکم دیا ہو اگرچہ اس کی عام ضرورت پیش آتی رہتی ہے بلکہ آپؐ نے حائضہ عورت کو حکم دیا چونکہ ضرورت کم ہی پڑتی ہے اس لیے حیض کے خون سے اپنی قمیص دھل لے بلکہ مسلمانوں کو یہ حکم نہیں دیا ہے کہ منی سے اپنے کپڑوں اور جسموں کو صاف کریں۔

وہ حدیث جسے بعض فقہائے نے روایت کی ہے کہ: "پیشاب

پاخانہ، منی، مذی اور خون سے کپڑے دھل لیئے جائیں" تو یہ نبی کا کلام نہیں ہے نہ معتمد حدیث کی کتابوں میں درج ہے نہ علماء حدیث میں سے کسی نے ایسی سند کے ساتھ اس کی روایت کی ہے جس سے استدلال کیا جا سکے[1] اور عمار سے روایت کی گئی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے

---

[1] اس کی روایت ابویعلیٰ نے کی ہے اور ان سے ابن جوزی نے "التحقیق" (۱: ۶۳-۶۴) میں روایت کی ہے عن ثابت بن حماد حدثنا علی بن زید عن سعید بن المسیب عن عمار بن یاسر مرفوعا به البتہ اس روایت میں "مذی" کی جگہ "القئی" ہے اسی طرح طبرانی نے "الاوسط" (۱-۱۱۱) میں ابن عدی نے "الکامل" (ق ۴۷: ۱) میں دار قطنی (۴۷) نے اور بیہقی (۱: ۱۴) نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ:

"یہ باطل ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور علی بن زید سے استدلال نہیں کیا جا سکتا اور ثابت بن حماد کے اوپر احادیث وضع کرنے کا اتہام ہے۔"

اور دارقطنی نے کہا ہے کہ:

"اسے ثابت بن حماد کے سوا کسی نے روایت نہیں کی اور وہ حد درجہ ضعیف ہیں۔"

اور عبدالحق الاشبیلی نے "الأحکام الکبریٰ" (ق ۲۷ : ۱) میں کہا ہے:

"ثابت بن حماد کی احادیث منکر ہیں اور بدلی ہوئی ہیں۔"

ابن عراق کی "تنزیہ الشریعۃ" (۲ : ۳۷) میں اپنے اصل "ذیل الأحادیث الموضوعۃ للسیوطی (۹۹) کی اتباع میں ہے: "اور ابن تیمیہ نے کہا ہے جیسے ان سے ابن عبدالہادی نے "التنقیح" میں نقل کیا ہے کہ" یہ حدیث اہل علم کے نزدیک جھوٹ ہے۔"

میں کہتا ہوں: "تحقیق ابن الجوزی" کے ساتھ "التنقیح" کے مطبوعہ نسخہ میں مؤلف سے یہ منقول عبارت موجود نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

کپڑے دھوئے[1] اور انھیں خوب زور سے مل دیا[2]

---

[1] صحیحین اور دوسری کتابوں میں یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے یوں مروی ہے وہ کہتی ہیں :

"میں رسولؐ اللہ کے کپڑے سے منی دھل دیا کرتی تھی پھر آپ نماز کے لیے نکلتے تھے اور تھوڑے سے پانی کا اثر آپ کے کپڑے پر باقی رہتا تھا۔"

دار قطنی (۴۶) نے اس کی روایت کی ہے اور یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ :

"پھر آپ نماز کے لیئے نکلتے اور میں دھلنے کے اثر سے دھبہ کو دیکھتی رہتی" اور کہا ہے کہ یہ صحیح ہے۔

[2] ابوداؤد (۳۷۱) نے ہمام بن حارث کے واسطہ سے تخریج کی ہے کہ وہ عائشہؓ کے پاس تھے۔ چنانچہ احتلام ہوگیا اور کپڑے سے جنابت کے نشانات کو دھلتے ہوئے انہیں عائشہؓ کی ایک باندی نے دیکھ لیا۔ اس نے جاکر عائشہؓ سے کہا تو انھوں نے فرمایا" تم مجھے دیکھ چکی ہو کہ میں رسول اللہ کے کپڑوں سے منی

یہ روایت منی سے کپڑے دھلنے کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی اس لیئے کہ کپڑے میل کچیل، گرد و غبار، رینٹ اور تھوک وغیرہ لگنے کی وجہ سے بھی صاف کیئے جاتے ہیں۔ واجب تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب آپ نے اس کا حکم دیا ہو جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان چیزوں کے

کو رگڑتی ہوں" اس کی سند صحیح ہے اور ترمذی نے اس کی تخریج کی ہے اور اسے حسن صحیح کہا ہے اور یہ حدیث مسلم (۱: ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶) میں متعدد طرق سے مروی ہے۔

دارقطنی نے حضرت عائشہؓ سے ایک دوسرے طریق سے روایت کی ہے۔ وہ کہتی ہیں "میں رسولؐ اللہ کے کپڑے سے منی رگڑ دیا کرتی تھی اگر وہ خشک ہوتا اور اسے دھوتی اگر تر ہوتا" اور اس کی سند صحیح ہے۔

احمد نے (۶: ۲۴۳) جید سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتی ہیں: اللہ کے رسولؐ اذخر کے عرق سے اپنے کپڑے سے منی اڑا دیا کرتے تھے پھر اس میں نماز پڑھ لیتے تھے اور اگر خشک ہوتا تو اسے رگڑ دیا کرتے تھے پھر اسی میں نماز پڑھ لیتے"

لگ جانے کی وجہ سے کپڑے دھلنے کا حکم نہیں دیا نہ یہ منقول ہے کہ آپ نے حضرت عائشہؓ کو اس کا حکم دیا ہو۔ ہاں انہیں اس پر باقی رکھا اس سے جواز یا استحباب کا پہلو البتہ نکلتا ہے۔

لیکن وجوب کے لیئے دلیل کا ہونا ضروری ہے۔

اس طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو چھونے سے وضو واجب نہیں ہے نہ پیشاب و پاخانہ کے راستوں کو چھوڑ کر کسی اور راہ سے نجاست خارج ہونے سے وضو واجب ہوتا ہے اس لیئے کہ کسی نے رسول اکرمؐ سے کوئی ایسی چیز نقل نہیں کی جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ آپ نے اس کا حکم دیا ہے حالانکہ یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ لوگ برابر پچھنا لگواتے تھے قے کرتے تھے اور جہاد میں زخمی ہوتے تھے اور کسی صحابی نے اپنی رگ خون نکالنے کے لیئے کاٹ دی تھی۔ اور اسی کو فصاد کہتے ہیں۔ لیکن کسی مسلمان نے یہ نقل نہیں کیا کہ آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو اس کی وجہ سے وضو

کرنے کا حکم دیا ہو۔

اسی طرح لوگ اپنی بیویوں کو شہوت اور بغیر شہوت کے چھوتے ہی رہتے تھے لیکن کسی مسلم نے روایت نہیں کی ہے کہ آپ نے لوگوں کو اس کی وجہ سے وضو بنانے کا حکم دیا ہو۔ قرآن سے بھی اس سلسلہ میں کوئی راہنمائی نہیں ملتی بلکہ لمس سے مراد جماع کرنا ہے۔ جیسا کہ اپنے موقع پر اس کی تفصیل آگئی ہے۔

اور ذکر (مرد کے آگے کی شرمگاہ) کو چھونے سے وضو کرنے کا جو حکم دیا ہے وہ محض استحباب[1] کے پہلو سے ہے چاہے بغیر شہوت کے چھوا ہو یا شہوت کی تحریک پر۔

اسی طرح جو شخص اپنی بیوی کو چھولے اور شہوت حرکت میں

---

[1] استحباب کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ وجوب کا حکم ہے اور یہ مؤلف کا قول ہے اور یہی صحیح ہے بشرطیکہ شہوت کی تحریک پر ہو۔

آجائے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وضو کرلے۔

اسی طرح وہ شخص بھی، جو سوچے اور اس کی شہوت حرکت میں آجائے اور پھر منتشر ہو جائے

اسی طرح جو شخص نابالغ لڑکے کو یا کسی اور کو چھولے اور پھر منتشر ہو جائے پس شہوت کی حرکت پر وضو کرنا غصہ کے وقت وضو کرنے کی جنس سے ہے اور یہ مستحب ہے۔ اس لیے کہ سنن[1] میں ہے نبیؐ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: غصہ شیطان کی جانب سے ایک فعل

---

[1] یہاں مراد سنن ابوداؤد ہے اور وہ (۴۷۸۴) اور احمد (۴: ۲۲۶) عروہ بن محمد السعدی کے طریق سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے بتایا اور انہیں میرے دادا نے بتایا۔ مرفوع روایت ہے۔

اس اسناد میں ضعف ہے اس لیے کہ مذکورہ عروہ کو ابن حبان کے علاوہ کسی نے ثقہ نہیں کہا اور اس کے باوجود ان پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ " وہ غلطیاں کرتے

ہے اور شیطان آگ کا بنایا ہوا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وہ وضو کر لے"۔

اسی طرح وہ شہوت جو غالب آجائے وہ بھی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے اور چونکہ اس سے آگ اس کے قریب آجاتی ہے اس لیئے وضو کے ذریعہ اسے بجھانے کا مستحب حکم دیا گیا ہے۔ اس لیئے کہ آگ اسے لگے گی تو بدن پر ضرور اثر انداز ہو گی اور جب وہ وضو کرے گا تو پانی سے آگ بجھ جائے گی۔

نصوص میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جو یہ بتائے کہ یہ حدیث

تھے" اور حافظ نے "التقریب" میں "مقبول" کہہ کر ان کی نرمی کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی جب موافقت ہو تو قابل قبول ہے ورنہ انفرادیت کے وقت حدیث نرم ہو گی۔ جیسا کہ انہوں نے مقدمہ میں کہا ہے یہ ان کی خاص اصطلاح ہے۔ ضروری ہے کہ اس سے آگاہ رہا جائے۔

منسوخ ہے بلکہ نصوص یہ بتلاتے ہیں کہ وضو واجب نہیں ہے، وضو کا مستحب ہونا ان لوگوں کے مقابلہ میں معتدل رائے ہے جو اسے واجب مانتے ہیں اس حدیث ہی کو منسوخ کر دیتے ہیں اور یہ مسلک احمدؒ کے دو اقوال میں سے ایک قول ہے۔

اس طریقے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جانور (جن کا گوشت کھایا جاتا ہے) کا پیشاب اور ان کی لید نجس نہیں ہے۔ اس لیئے کہ ان چیزوں سے عام طور سے سابقہ پیش آتا رہتا ہے، عرب قوم اونٹوں اور بھیڑوں کی قوم تھی وہ جانوروں کے مکانات میں بیٹھتے اور نماز ادا کرتے تھے اور ان میں مینگنیاں بھری ہوتی تھیں اگر یہ مینگنیاں اور پیشاب، پاخانے کے حکم میں ہوتے تو نجس قرار پاتے اور اللہ کے رسولؐ ان سے بچنے کا حکم دیتے اور تاکید کرتے کہ ان کے بدن اور کپڑے ان سے لت پت نہ ہوں اور نہ ان میں نماز ادا کریں۔

حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ کے رسولؐ اور آپ

کے صحابہ بکریوں کی باڑ میں[1] نماز ادا کرتے تھے اور بکریوں کی بیٹھنے کی جگہوں پر نماز ادا کرتے تھے کا آپ نے حکم دیا ہے اور اونٹ کے بیٹھنے کی جگہوں پر نماز پڑھنے سے روک دیا ہے[2]۔ اس سے معلوم ہوا کہ

---

[1] شیخین اور دوسرے لوگوں نے انس کے واسطے سے اس حدیث کی تخریج کی ہے وہ کہتے ہیں: نبیؐ بکریوں کی باڑ میں نماز پڑھتے تھے"۔ اور ترمذی (۲ : ۱۸۲) نے کہا ہے کہ یہ حدیث "حسن صحیح" ہے۔

[2] اس سلسلے میں متعدد صحابہ سے متعدد احادیث مروی ہیں۔ ان میں ابوہریرہؓ جابر بن سمرہ اور براء بن عازب ہیں۔ ابوہریرہؓ کی حدیث کی تخریج ترمذی نے کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے الفاظ یہ ہیں "بکریوں کے بیٹھنے کی جگہوں پر نماز پڑھو، اور اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہوں پر نماز نہ پڑھو"۔ رہی حدیث جابر تو اس کی تخریج مسلم اور احمد نے کی ہے اور حدیث براء کی تخریج ابوداؤد احمد نے صحیح سند کے ساتھ کی ہے۔

اونٹ کی مینگنیوں کے نجس ہونے کی وجہ سے وضو کرنے کا حکم نہیں دیا ہے، بلکہ یہ حکم ویسے ہی ہے جیسے اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنے کا حکم ہے۔

بکریوں کے بارے میں آپؐ نے فرمایا: چاہو تو وضو کر لو اور چاہو تو نہ کرو۔

اور فرمایا ہے "اونٹ جنات سے پیدا کئے گئے ہیں[1]" اور ہر

---

[1] امام احمد (۴: ۸۵، ۸۶ و ۵: ۵۴، ۵۵، ۵۶) نے ابن ماجہ (۷۶۹) نے اور بیہقی (۲: ۴۴۹) نے بطریق الحسن بواسطہ عبداللہ بن مغفل المزنی سے تخریج کی ہے، وہ کہتے ہیں اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: "بکریوں کی باڑ میں نماز پڑھ لو اور اونٹ کی باڑ میں نماز نہ پڑھو کیونکہ وہ شیطان سے پیدا کیے گئے ہیں۔" اور احمد کی روایت میں ہے: "کیونکہ وہ جنات سے بنائے گئے ہیں کیا تم ان کی آنکھوں کو اور بھڑکنے کو نہیں دیکھتے جب وہ بدکتے ہیں۔" اس سند کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ اسی لیے اس

اونٹ کی کوہان پر ایک شیطان رہتا ہے۔[1]

کی اسناد کو شوکانی نے "نیل الاوطار" (۲ : ۲۴۳) میں صحیح کہا ہے لیکن حسن بصری مدلس ہیں اور انھوں نے اس روایت کو عن فلاں عن فلاں کہہ کر بیان کیا ہے اگر انھوں نے عبداللہ سے سنا ہے تو صحیح ہے۔

[1] ان الفاظ کے ساتھ حاکم (۱ : ۴۴۴) نے ابوہریرہؓ کی حدیث کو مرفوع قرار دیا ہے اس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: "تو انھیں سواری کے کام میں لاؤ کیونکہ اللہ نے انھیں سواری بنایا ہے۔" اس کی سند حسن ہے اور حاکم نے مسلم کی شرط پر اسے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے پھر حاکم نے اور دارمی (۲ : ۲۸۶) نے حمزہ بن عمرو اسلمی کی حدیث سے مرفوع ان الفاظ میں تخریج کی ہے۔ "ہر اونٹ کے اوپر شیطان رہتا ہے تو جب تم ان پر سواری کرو، اللہ کا نام لے لیا کرو تاکہ تمہاری کوئی ضرورت باقی نہ رہ جائے۔" اور حاکم نے کہا ہے۔ "مسلم کی شرط پر صحیح ہے" اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے اور یہ وہی ہے جیسا کہ ان دونوں نے کہا ہے

اور فرمایا: "فخر اور گھمنڈ اونٹوں والے کاشتکاروں میں ہوتا ہے اور سکینت بکری والوں میں ہوتی ہے[1]۔"

چونکہ اونٹ کے اندر وہ شیطنت ہوتی ہے اللہ اور اس کے رسول کو ناپسند ہے اس لیئے اس کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنے کا حکم دیا ہے یہ چیز اس شیطنت کو بجھا دیتی ہے اور اس کی باڑ میں نماز ادا کرنے سے روک دیا۔ اس لیئے کہ وہ شیطانوں کا ٹھکانہ ہے جس طرح حمام میں نماز پڑھنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ شیطانوں کی قیام گاہ ہے۔

اور اس کی تخریج انہوں نے اور احمد نے (۴/۲۱۰) ابولاس خزاعی کی حدیث سے ابوہریرہؓ کی حدیث کی طرح کی ہے اور اس کی سند حسن ہے اور حاکم نے کہا ہے "مسلم کی شرط پر صحیح ہے"۔ اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

[1] اس کی تخریج شیخین اور احمد نے ابوسعید خدریؓ کی مرفوع حدیث سے کی ہے

اس لیئے کہ خبیث روحوں کی قیام گاہ اس بات کی سزاوار ہے کہ اس میں نماز نہ پڑھی جائے۔ خبیث جسموں کی جگہوں کے مقابلے میں بلکہ خبیث روحیں خبیث جسموں کو محبوب رکھتی ہیں۔

اسی لیئے کھجوروں کے جھنڈ شیطانوں کی قیام گاہ تھے جہاں وہ قیام کرتے تھے اور حمام اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہوں اور نجس سرزمین کے مقابلے میں یہ جھنڈ اس بات کے زیادہ سزاوار تھے کہ ان میں نماز پڑھنے سے روک دی جائے۔

کھجوروں کے جھنڈ کے سلسلہ میں کوئی خاص نص وارد نہیں ہے اس لیئے کہ مسلمانوں کے نزدیک اس کا حکم بالکل واضح تھا۔ اس سلسلے میں کسی بیان کی ضرورت نہ تھی۔ اسی لیئے کوئی مسلمان ان جھنڈوں میں بیٹھتا تھا نہ ان میں نماز پڑھتا تھا

بلکہ گھروں میں پاخانہ بنوانے سے پہلے وہ اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے خشکی یا کھلے میدان کا رخ کیا کرتے تھے۔

جب انہوں نے سنا کہ حمام میں یا اونٹوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا ہے تو انہوں نے سمجھ لیا کہ ان باغات کے جھنڈوں میں نماز نہ پڑھنا اس سے کہیں زیادہ مناسب اور سزاوار ہے، حالانکہ وہ حدیث بھی روایت کی جاتی ہے جس میں قبرستان، بوچڑ خانہ گھور، باغات کے جھنڈ، راستے کا اوپری حصہ اور اونٹ کی باڑ میں اور بیت اللہ شریف کی چھت پر نماز پڑھنے سے روک دیا گیا ہے۔

فقہاء حدیث کا اس میں باہم اختلاف ہے۔ امام احمد کے ساتھی اس میں دو قول رکھتے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ ان جگہوں کو ممنوع سمجھتے ہیں، اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ

حدیث ثابت نہیں ہے۔[1]

میں نے احمدؒ کی تحریروں میں اس سلسلے میں کوئی اجازت پائی نہ رکاوٹ، حالانکہ عذاب کی جگہوں پر نماز پڑھنے کو وہ مکروہ کہتے ہیں

---

[1] میں کہتا ہوں یہی قول صحیح ہے اس لیے کہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ میں نے اس کی وضاحت "إرْوَاءَ الْغَلِيْل" (۲۸۱) میں کی ہے لیکن اس کے دو جملے صحیح ہیں: اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے سے روکنا۔ اس کی تخریج دو حدیثوں سے پہلے ہو چکی ہے اور مقبرہ میں نماز کی ممانعت، اسی سلسلے میں ابو سعید خدری کی موضوع حدیث ہے۔ جس کے الفاظ ہیں "پوری سرزمین مسجد ہے سوائے قبرستان اور حمام کے" اسے تمام اصحاب سنن نے نسائی کو چھوڑ کر اور حاکم اور احمد نے روایت کی ہے۔

اس کی اسناد صحیح ہے۔ ایک جماعت نے اس کو صحیح کہا ہے: انہی میں مؤلف بھی ہیں جیسا کہ میں نے "ارواء الغلیل" میں اس کا ذکر کیا ہے۔

ان سے یہ بات ان کے بیٹے عبداللہ نے نقل کی ہے اسی سلسلہ میں حضرت علیؓ سے سند حدیث کی وجہ سے جیسے ابوداؤد نے روایت کی ہے[1] انہوں نے کھجوروں کے جھنڈ، اونٹوں کے باڑے اور حمام کو ممنوع کہا ہے۔

---

[1] انہوں نے کتاب الصلوۃ کے آغاز میں ابو صالح غفاری کے طریق سے اس کی روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ بابل سے گزرے۔ مؤذن نے عصر کی اذان کی اجازت چاہی، جب آپ وہاں سے نکل آئے، تب آپ نے مؤذن کو اذان دینے کا حکم دیا، اور نماز کھڑی ہوئی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا:

"میرے حبیب نے مجھے قبرستان میں نماز پڑھنے سے روکا تھا اور مجھے اس بات سے روکا تھا کہ بابل میں نماز پڑھوں اس لیے کہ اس پر اللہ کی لعنت آ چکی ہے" اور بیہقی (۲: ۴۵۱) نے ابوداؤد کے طریق سے اس کی روایت کی ہے اور اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے اور حافظ ابن حجر اور دوسرے لوگوں نے اس کی صراحت کی ہے جیسا کہ میں نے "ضعیف سنن ابی داؤد" (ص۶۷) میں اس کا ذکر کیا ہے۔

اور ان تینوں کا تذکرہ خرقی وغیرہ نے بھی کیا ہے۔

جو لوگ اس کے قائل ہیں وہ کبھی اس کا حکم نص کے ماخذ پر قیاس کے ذریعہ واضح کرتے ہیں تو کبھی حدیث سے ثابت کرتے ہیں اور جنہوں نے فرق کیا ہے وہ حدیث میں کلام کرنے اور فارق بیان کرنے کے ضرورت مند ہیں اور منع بھی کیا گیا ہے کبھی یہ منع مکروہ رہا ہے اور کبھی حرام رہا ہے۔

وہ احکام، جن کی عام طور سے ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ جب ان کے سلسلے میں ناگزیر ہے کہ اللہ کے رسولؐ ان کی عمومی وضاحت کریں اور امت اسے اخذ کرلے تو یہ معلوم ہے کہ سرمہ لگانا اور اس نوعیت کی دوسری چیزیں عموم البلویٰ کی فہرست میں آتی ہیں اور عام طور پر ان سے دوچار ہونا پڑتا ہے جیسے تیل، غسل، خوشبو، دھونی وغیرہ کی عام طور سے ضرورت پڑتی ہے۔

اگر ان چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اس کی وضاحت ضرور کرتے جیسا کہ دوسری چیزوں کے بارے میں وضاحت کی ہے جب آپ نے اس طرح کی کوئی وضاحت نہیں فرمائی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرمہ بھی خوشبو، دھونی اور تیل کی جنس سے ہے۔ دھونی کبھی کبھی ناک میں چڑھ جاتی ہے اور دماغ میں داخل ہو کر جسم میں سرایت کر جاتی ہے۔ تیل کو بدن پیتا ہے اور اپنے اندر داخل کرتا ہے اور اس سے انسان قوت محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح خوشبو سے ایک نئی قوت محسوس کرتا ہے۔ جب روزہ دار کو ان چیزوں کے استعمال سے نہیں روکا گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ روزہ دار کا خوشبو استعمال کرنا، دھونی دینا اور تیل لگانا جائز ہے اسی طرح سرمہ لگانے کا معاملہ بھی ہے۔

دور نبوی میں مسلمان جہاد میں یا کہیں زخمی ہوتے تھے، کسی کا سر کھل جاتا تھا اور کسی کے پیٹ میں تلوار یا برچھی یا نیزہ اتر جاتا تھا، اگر ان چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا تو آپ اس کی وضاحت ضرور

کرتے آپ نے جب اس سے روزہ دار کو نہیں روکا تو اس سے معلوم ہوا کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

تیسرا سبب یہ کہ قیاس کے ذریعہ تفطیر (روزہ کے لیے کسی چیز کا ناقص ہونا) کو ثابت کرنے کے لیے ضرورت ہے کہ قیاس صحیح ہو یعنی قیاس یا تو اپنے جامع باب پر ہوتا ہے یا فارق کے ابطال پر۔ اگر اصل میں کسی علت کی کوئی دلیل مل جائے تو اسے فرع تک پہنچا دیا جاتا ہے یا یہ معلوم ہو جاتا ہے شریعت میں جن اوصاف کا خیال رکھا گیا ہے ان کے سلسلہ میں ان دونوں میں کوئی فارق نہیں ہے اور یہ قیاس یہاں نابود ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ کوئی دلیل ایسی نہیں ہے جو یہ بتائے کہ جن چیزوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے روزہ توڑنے کا سبب بتایا ہے وہ یہ ہے کہ جو چیز بھی دماغ یا بدن تک پہنچ جائے یا جو منفذ سے داخل ہو یا جو پیٹ تک پہنچ جائے یا اسی طرح کی اور دوسری

چیزیں جن پر یہ قیاس کرنے والے لوگ اللہ اور اس کے رسول کا حکم لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول نے کھانا اور پانی کو روزہ دار پر حرام اسی مشترک معنیٰ کی وجہ سے ٹھہرایا ہے۔ جو کھانے پینے کی چیزوں اور مامومہ اور جائفہ کی دوا کے دماغ اور پیٹ تک پہنچنے اور سرمہ، حقنہ اور تقطیر وغیرہ کے اندر تک اثر انداز ہونے کے درمیان پایا جاتا ہے۔

اور جب اس وصف سے اللہ اور رسول کے حکم کو متعلق کرنے کی کوئی دلیل نہیں ملتی تو کوئی کہہ دیتا ہے کہ: اللہ اور اس کے رسول نے بس اس چیز کو مفطر بتا دیا ہے، اور وہ بلا دلیل یہ کہہ دیتے ہیں۔ دوسرا بغیر دلیل کے کہتا ہے کہ اللہ نے اس چیز کو حلال کیا ہے اور اس چیز کو حرام۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سلسلے میں وہ ایسی بات کہہ دیتا ہے جس کے بارے میں اسے معلوم نہیں ہوتا کہ اسے اللہ نے کہا ہے یا نہیں اور یہ جائز نہیں ہے

اور جو علماء یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اشتراک حکم لگانے کے لیے کافی ہے تو وہ ایسے شخص کے مقام پر ہیں جو کسی ایسے مسلک کی صحت پر اعتقاد رکھتا ہے جو صحیح نہیں ہے یا کسی لفظ کے ایسے معنیٰ کو لیتا ہے جو رسول اکرمؐ نے مراد نہیں لیا۔ یہ اجتہاد ہے جس پر ان کو ثواب ملے گا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کی باتوں کو شرعی حجت تسلیم کر لیا جائے جس کی اتباع مسلمانوں پر واجب ہو۔

چوتھا سبب قیاس اس وقت صحیح ہوگا جب شارع کا کلام حکم کی علت پر دلالت نہ کرے[1] جب ہم اصل کے اوصاف کا تجزیہ کریں تو ان میں وصف معین کے سوا کوئی ایسی چیز نظر نہ آسکے جسے علت کہا جا سکے۔

---

[1] یعنی قیاس اس وقت صحیح ہوگا جب مذکورہ شرط کے مطابق شارع کا نص حکم کی علت پر دلالت نہ کرے" رشید رضا"

اور جب ہم نے اصل کی علت مناسبت یا الٹ پھیر یا اس چیز کے قائلین کے بقول ہم آہنگ مشابہت کی وجہ سے ثابت کر دی تو ضروری ہے کہ ان کا تجزیہ کریں ورنہ اصل میں دو مناسب اوصاف ہو جائیں گے اور یہ کہنا جائز نہ ہوگا کہ یہ حکم فلاں وصف کی وجہ سے لگایا گیا ہے فلاں وصف کی وجہ سے نہیں۔

یہ بات معلوم ہے کہ نص اور اجماع نے کھانے پینے، جماع کرنے اور حیض آنے کی وجہ سے روزہ ٹوٹنے کو ثابت کر دیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو بنانے والے کو بہت زیادہ ناک میں پانی ڈالنے سے منع کر دیا ہے جب وہ روزے سے ہو، اور استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا) پر ان کا قیاس ان کی مضبوط ترین دلیل ہے، جس کا ذکر آچکا ہے، حالانکہ یہ کمزور قیاس ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو شخص ناک کے دونوں سوراخوں سے پانی کھینچے گا۔ پانی اس کے حلق اور پیٹ تک جائے گا اور اس سے وہ مقصد حاصل

ہو جائے گا جو منہ سے پینے سے حاصل ہوتا ہے اور پانی سے اس کے بدن کو تقویت ملے گی۔ اس کی پیاس بجھے گی اور اس کے معدہ میں کھانا ہضم ہوگا جس طرح پانی پینے سے ہضم ہوتا ہے ۔

اگر استنشاق کے سلسلہ میں نص موجود نہ ہوتی تو عقل سے یہ بات معلوم ہو جاتی کہ یہ بھی پینے سے ہی تعلق رکھتا ہے، ان میں اس کے سوا اور کوئی فرق نہیں ہے ایک میں منہ سے پانی جاتا ہے اور دوسرے میں ناک سے اور یہ غیر معتبر ہے، بلکہ منہ تک پانی کا چلا جانا روزہ کے لیئے ناقض نہیں ہے ۔ اس لیئے کہ اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ روزہ ٹوٹنے کا یہ راستہ ہے لیکن سرمہ، حقنہ، جائفہ اور مامومہ کے علاج وغیرہ میں یہ بات نہیں ہے اس لیئے کہ سرمہ سے قطعی طور پر یہ معلوم ہے کہ غذائیت نہیں ملتی، نہ کوئی سرمہ اپنے پیٹ، ناک یا منہ میں داخل کرتا ہے، یہی معاملہ حقنہ کا ہے، اس سے کسی صورت میں بھی غذائیت حاصل نہیں ہوتی، بلکہ بدن میں جو

کچھ ہوتا ہے اسے خالی کر دیتا ہے۔ جیسے وہ کوئی مسہل دوا سونگھ لے یا اتنا خوف زدہ ہو جائے کہ اس کا پیٹ چلنے لگے۔ حقنہ معدہ تک نہیں پہنچتا[1] اور ماموسہ اور جائفہ کے علاج میں جو دوا معدہ تک جاتی

---

[1] المصباح میں ہے، جب مریض کے مخرج سے اس کے پیٹ میں دوا پہنچائی جائے تو کہیں گے حَقَنْتُ المَرِیْضَ اور اسم حقنہ ہے اور اس سے احتقان آتا ہے جیسے فرقہ اسم ہے افتراق کا۔ پھر ہر اس دوا پر اس کا اطلاق ہونے لگا جو علاج کے لیے استعمال کی جائے۔ جمع حُقَدٌ آتی ہے جیسے غُرْفَةٌ کی جمع غُرَفٌ آتی ہے یہی وہ حقنہ ہے جس کے بارے میں شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور ان کا یہ قول برحق ہے لیکن اس زمانے میں ایک اور حقنہ ہے اور اس میں بعض غذائی مواد آنتوں تک پہنچایا جاتا ہے جس سے مریض کو تقویت دینا مقصود ہوتا ہے اور آنت معدہ کی طرح ہضم کرنے والا آلہ ہے تو حقنہ کی یہ قسم روزہ کو توڑ دے گی اور اسی مریض کے لیے جائز ہے جس کے لیے روزہ توڑ دینا مباح ہو" رشید رضا

ہے وہ اس غذا کے مشابہ نہیں ہوتی جو مریض کے پیٹ میں جاتی ہے۔[1]

اللہ سبحانہ تعالیٰ کہتا ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ (بقرۃ ۱۸۳)

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کر دیئے گئے جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیرؤوں پر فرض کیے گئے تھے۔)

اللہ کے رسولؐ فرماتے ہیں :

اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ "روزہ ڈھال ہے"[2]

---

[1] جائفہ : زخم جو پیٹ تک پہنچ جائے۔ ماموبہ : سر میں زخم کاری جو دماغ تک پہنچ جائے۔

[2] نسائی نے اس کی مرفوع روایت معاذ بن جبلؓ سے کی ہے اور احمد نے حدیث قدسی میں جابرؓ سے روایت کی ہے اور اسی طرح شیخین نے حدیث ابی ہریرۃؓ کی روایت کی ہے۔

دوسری حدیث ہے: "شیطان ابنِ آدم کے خون کے اندر خون کی طرح دوڑتا ہے تو بھوک اور روزے سے اس کے راستوں کو تنگ کردو" [1]

[1] یہ حدیث صحیح ہے صحیحین اور دوسری کتابوں میں انس بن مالکؓ اور صفیہ بنت حیی کے واسطے سے اس کی تخریج کی گئی ہے لیکن اس میں یہ اضافہ نہیں ہے "فضیقوا الخ" اور احادیث کی چھپی ہوئی کتابوں یا مخطوطات میں اس کی اصل کا مجھے پتہ نہیں۔ البتہ غزالی نے اپنی کتاب "الاحیاء" (۱: ۲۰۸، ۳/ ۷۰) میں دو جگہوں پر حدیث میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس کی تخریج کرنے والے حافظ عراقی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے تعجب ہے کہ اس طرح کی چیز مؤلف کی نگاہ سے اوجھل رہی لیکن اس اضافہ کے بغیر ہی انہوں نے اس حدیث کا متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ شاید کسی نرے جاہل نقل کرنے والے شخص کی طرف سے یہ اضافہ درج ہوگیا ہے۔ اس کے باوجود سید رشید رضا رحمہ اللہ علیہ پر اس کا حال مخفی رہا۔ انہوں نے اس رسالہ کی تعلیق میں اس پر کوئی نوٹ نہیں چڑھایا۔

روزہ دار کو کھانے اور پینے سے روک دیا گیا اس لیئے کہ یہ چیزیں قوت کا باعث ہیں اس لیئے کھانا پینا بند کر دیا گیا جس کی وجہ سے بہت زیادہ خون پیدا ہوتا ہے جس میں شیطان گردش کرتا ہے اور وہ خون جس کے ساتھ شیطان دوڑتا ہے، غذا سے پیدا ہوتا ہے۔ حقنہ، سرمہ تقطیر اور ماموم اور جائفہ کے علاج سے نہیں اور یہ خون ناک میں پانی ڈالنے سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ اس لیئے کہ پانی خون بناتا ہے۔ اس لیئے روزہ کی تکمیل کے لیئے اس سے روک دیا گیا۔

چونکہ نص اور جماع سے ثابت اصل میں یہ تمام معانی واسباب موجود ہیں۔ اس لیئے کہ ان کا یہ دعویٰ کہ شارع نے اوصاف کی وجہ سے جن کا انہوں نے ذکر کیا ہے، یہ حکم لگایا ہے، ان اوصاف سے ٹکراتا ہے اور اصل میں کوئی ٹکراؤ یا مخالفت اس طرح کے تمام قیاسات کو باطل کر دیتی ہے اگرچہ یہ واضح نہ ہو کہ جس وصف کا یہ لوگ دعویٰ کر رہے ہیں وہی صحیح ہے دوسرا غلط ہے۔

04495

پانچواں سبب یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں : بلکہ شارع نے یہ حکم ایسے اوصاف کی وجہ سے لگایا ہے جو مقام نزاع میں نہیں پائے جاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محل نزاع میں حکم کی علت نہیں ہے اور یہ محل نزاع اور فساد قیاس حکم کے نابود ہونے سے آزاد ہے اس لیے کہ وہ وصف جس کا شارع نے اصل میں قصد کیا تھا جب فرع میں نہیں پایا جاتا تو معلوم ہوا کہ شارع نے فرع میں حکم کو ثابت نہیں کیا ہے اور علت نہ ہونے کی وجہ سے حکم نہیں لگے گا، اور یہ قیاس عکس و فرق ہے جو قیاس کی ایک قسم ہے۔

اوپر جو کچھ گزر چکا ہے اس سے قیاس طرد درہم برہم ہو جاتا ہے جس سے انھوں نے استدلال کیا ہے اور یہ قیاس عکس کا اثبات ہے جو فرع میں حکم کی نفی پر دلالت کرتا ہے اوپر دلیل میں معارضہ تھا یہاں مستقل دلیل ہے اور وہ حکم میں معارضہ ہو سکتا ہے۔ اگر یہ کوئی دلیل دیں گے تو ہم کہیں گے :

یہ معلوم ہے کہ کھانے پینے اور جماع سے رک رہنے کا روزے دار کو حکم دیا گیا ہے اور یہ نص و اجماع سے ثابت ہے۔ نبی اکرمؐ کی ثابت حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا: "شیطان ابن آدم کے اندر خون کی طرح دوڑتا ہے" بلا شبہ خون کھانا اور پانی سے پیدا ہوتا ہے اور اگر کھا پی لیا جائے تو شیطان کی جریان گاہ[1] خوب وسیع ہو جاتی ہے۔ اسی لیئے کہا گیا ہے کہ بھوک کے ذریعہ اس کی گزرگاہوں کو تنگ کر دو، جب وہ تنگ ہو جائیں گی اور دل اچھے کام کرنے پر آمادہ ہوں گے۔ جن سے جہنم کے دروازے بند ہوں گے۔ جن سے جنت کے دروازے کھلتے ہیں اور منکرات سے دور رہنے کے لیئے تیار ہوں گے، اور شیاطین جکڑ دیئے جائیں گے تو ان کی قوت اور کارکردگی کمزور پڑ جائے گی اور رمضان میں وہ تمام کام نہیں کر سکیں گے جو دوسرے مہینوں میں

---

[1] اس سے مراد خواہشات ہیں۔ رشید رضا۔

بے محابہ کرتے رہتے ہیں۔ حدیث میں یہ نہیں کہا : کہ شیطان قتل کرائے جاتے ہیں یا مر جاتے ہیں بلکہ یہ کہا ہے کہ جکڑ دیئے جاتے ہیں اور جکڑا ہوا شیطان بھی نقصان پہنچا سکتا ہے لیکن دوسرے مہینوں کے مقابلے میں رمضان میں بہت کم کر سکے گا اور یہ آدمی کے روزے کا کمال اور اس کے نقص کے لحاظ سے ہوگا، جس شخص کا روزہ کامل ہوگا، شیطان اس سے اتنا دور رہے گا جتنا ناقص روزہ والے سے دور نہیں ہوگا، چنانچہ یہ مناسبت روزہ دار کو کھانے پینے سے روکنے میں ظاہر ہے اور حکم اسی کے مطابق ثابت ہوتا ہے۔

شارح کا کلام اس وصف اور اس کی تاثیر کا لحاظ رکھنے پر دلالت کرتا ہے اور یہ وصف حقنہ، سرمہ وغیرہ میں نابود ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ : بلکہ سرمہ پیٹ کے اندر تک اتر جاتا ہے اور خون میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ : یہ ایسا ہی ہے جیسے بھاپ کے

بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ناک سے چڑھ کر دماغ تک پہنچ جاتی ہے اور خون کو بدل دیتی ہے، جیسے تیل کے بارے میں کہا جاتا ہے جیسے جسم پی لیتا ہے ممنوع وہ چیز ہے جو معدہ تک پہنچ جائے جیسے غذا اور خون کو بدل دے اور بدن میں تقسیم ہو جائے۔

ہم اسے پانچواں سبب کہتے ہیں اور سرمہ، حقنہ اور اسی طرح کی دیگر چیزوں کو دھونی، تیل اور دوسری چیزوں پر قیاس کرتے ہیں کیونکہ ان دونوں چیزوں میں ایک چیز مشترک ہے وہ یہ کہ دونوں ہی قسموں سے بدن کو غذا نہیں ملتی اور معدہ میں خون کو تبدیل کر دیتی ہے۔ اس وصف نے یہ واجب قرار دیا ہے کہ یہ امور روزہ توڑنے کا سبب نہ بنیں اور یہ چیز محل نزاع میں پائی جاتی ہے۔

فرع کو دو اصل اپنی طرف کھینچتے ہیں اور شریعت میں قابل لحاظ صفات کی مشابہت کی وجہ سے فرع ان دونوں سے قریب ہوتی محسوس ہوتی ہے اور ہم نے شریعت میں جس صفت کا لحاظ کیا گیا ہے۔ اس کا

ذکر کر دیا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ : روزہ دار مٹی یا کنکری یا دوسری چیزیں کھائے جس سے بار آور تغذیہ ممکن نہ ہو سکے تو کیا ہو گا۔

اس کا جواب یہ ہو گا کہ : ان چیزوں کو معدہ قبول کرتا ہے اور اس سے خون میں تبدیلی آتی ہے جس سے بدن بڑھتا ہے لیکن یہ ناقص غذا ہے تو اس کی حیثیت ایسی ہو گی جیسے وہ زہر یا کوئی نقصان دہ چیز کھا لے وہ اس شخص کی منزلت میں ہو گا۔ جس نے بہت زیادہ کھا لیا ہو، اور بد ہضمی یا کسی اور بیماری میں مبتلا ہو گیا ہو، اس لیئے روزے کی حالت میں اس سے روکنا اس کے لیئے اور زیادہ ضروری ہے اس لیئے کہ ان چیزوں سے عام دنوں میں بھی روکا گیا ہے۔ اس کی حیثیت زنا کی ہے جب رمضان میں مباح وطی سے بھی روک دیا گیا ہے تو ممنوع حرام ہے اور زیادہ سختی سے روکا جائے گا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ : جماع سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

حیض بھی روزہ کے لیئے ناقض ہے جب کہ ان دونوں میں یہ علت نہیں پائی جاتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ : یہ نص اور اجماع سے ثابت احکام ہیں۔ اس لیئے ان کے اثبات کے لیئے قیاس کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ علتیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ کھانے پینے سے روکنا اور اس سے روزہ کا ٹوٹنا ایک حکمت کے پیش نظر ہو سکتا ہے اور جماع کی حرمت اور اس سے روزہ کے ٹوٹ جانے میں دوسری حکمت ہو سکتی ہے اور حیض کو روزہ کے لیئے مفطر بنانے میں کوئی تیسری حکمت کام کر سکتی ہے۔ اس لیئے کہ حیض کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ حرام ہے۔ اس لیئے کہ نص اور اجماع سے روزہ توڑ دینے والی چیزیں جب اختیاری (جیسے کھانا پینا اور جماع کرنا) اور غیر اختیاری (جیسے حیض کا خون) میں تقسیم ہو گئی تو اسی طرح ان کی علتیں بھی تقسیم ہو جاتی ہیں۔

پس ہم کہتے ہیں : رہا جماع، تو یہ اس وجہ سے حرام ہے کہ یہ

منی کے انزال کا سبب ہے جو استقاءۃ (جان بوجھ کر قے کر دینا) حیض اور پچھنا لگوانا کے برابر ہے جیسا کہ انشاء اللہ ہم اس کی وضاحت کریں گے۔ یہ ایک طرح کا خالی کرنا ہے نہ کہ کھانے پینے کی طرح بھرنا اور دوسری جہت سے یہ ایک شہوت ہے اس لیئے کھانے پینے کے برابر ہے۔

حدیث قدسی ہے: "روزہ میرے لیئے ہے اور میں اس کا بدلہ دوں گا وہ اپنی شہوت کو اور اپنے کھانے کو میری خاطر چھوڑتا ہے"۔ [1]

---

[1] شیخین اور دوسرے لوگوں نے حدیث ابی ہریرہؓ سے اس کی تخریج کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا۔

"ابن آدم کا ہر عمل بڑھا دیا جاتا ہے نیکی دس گنی سے سات سو گنی تک بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے: مگر روزہ میرے لیئے ہے

اللہ کی خاطر اپنی مرغوب چیزوں کو چھوڑنا ہی محبوب ٭ مقصود عبادت ہے جس پہ ثواب ملتا ہے جیسے محرم کو اپنے معمولات لباس، خوشبو اور بدن کی دوسری لذتیں چھوڑنے پر اجر ملتا ہے۔
اور جماع بدن کی سب سے بڑی لذت ہے اور نفس کا سرور

اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ وہ اپنی شہوت اور اپنا کھانا میری خاطر چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لیے خوشی کے دو مواقع ہیں: ایک خوشی افطار کے وقت ہوتی ہے اور دوسری خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت ہوگی اور روزہ دار کے منہ کی بو مشک کی خوشبو سے زیادہ اللہ کو پسند ہے۔" بخاری نے حدیث کے آغاز میں اتنا اور اضافہ کیا ہے:
"روزہ ڈھال ہے فحش گوئی نہ کرے۔ جھگڑے نہیں اور اگر کوئی اس سے جھگڑے یا اسے گالی دے تو کہہ دے "میں روزے سے ہوں، میں روزے سے ہوں"

اور اس کا انبساط ہے۔ شہوت کو اور خون اور بدن کو کھانے کے مقابلہ میں کہیں بڑھ کر تحریک کرتا ہے۔ چونکہ شیطان ابن آدم کے اندر خون کی طرح دوڑتا ہے اور غذا اس خون کو بڑھاتی ہے جو شیطان کی کارگاہ اور جریان گاہ ہے اس لیئے جب وہ کھاتا پیتا ہے تو اس کا نفس شہوتوں کی طرف لپکتا ہے اور عبادات سے محبت اور اس سے متعلق اس کے ارادے کمزور پڑ جاتے ہیں اور یہ مفہوم جماع کے بارے میں کافی واضح اور مؤثر ہے اس لیئے کہ یہ نفس کے ارادہ کو شہوات کی طرف بڑھاتا ہے اور عبادات سے اس کی دلچسپی کو بہت کم کر دیتا ہے بلکہ جماع ہی شہوتوں کی منتہا ہے اور اس کی شہوت کھانے پینے سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ اس لیئے جماع کرنے والے پر ظہار کا کفارہ واجب ہے اور اس پر غلام کی آزادی یا جو سنت اور اجماع سے اس کا قائمقام ثابت ہے اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ اس لیئے کہ یہ شنیع ترین حرکت ہے اور

اس کے داعی و محرکات بہت طاقتور ہوتے ہیں اور اس سے فساد بھی بہت زیادہ پھیلتا ہے۔ جماع کو حرام کرنے میں یہ سب سے بڑی حکمت ہے۔

رہی یہ بات کہ یہ بدن کو خالی کر کے کمزور کر دیتا ہے تو یہ دوسری حکمت ہے ان دونوں میں اس کی حیثیت کھانے اور حیض کی ہو گئی اور اس بارے میں جماع بہت زیادہ اثر کن ہے، کیوں کہ کھانے اور حیض سے کہیں زیادہ یہ روزے کو فاسد کر دیتا ہے۔

ہم حیض کی حکمت اور قیاس کے مطابق اس کے جریان پر گفتگو کرتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں: شریعت نے ہر چیز میں عدل ملحوظ رکھا ہے۔ اور عبادات میں غلو کرنا وہ ظلم ہے جس سے شارع نے روکا ہے اور اس نے عبادات میں میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اسی لیے

جلد افطار کرنے[1] اور دیر سے سحری کھانے کا اس نے حکم دیا ہے[2]

---

[1] شیخین اور دوسرے لوگوں نے حدیث سہل بن سعد کی تخریج کی ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: لوگ خیریت سے رہیں گے جب تک افطار میں جلدی کرتے رہیں گے" اور احمد (۵/ ۱۴۷۔۲/ ۱۷۲) نے حدیث ابوذر روایت کی ہے اور اضافہ بھی کیا ہے کہ "اور سحری بہت تاخیر کرتے رہیں گے" حافظ نے "الفتح" میں اس پر سکوت اختیار کیا ہے اس کے رجال میں ابن لہیعہ ہیں جو ضعیف ہیں۔

[2] ابوذرؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا "ہم انبیاء کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ جلد افطار کریں، سحری دیر سے کھائیں اور نماز میں دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھیں۔

طبرانی نے "المعجم الکبیر" میں اس کی تخریج کی ہے اور ان سے الضیاء المقدسی نے "الأحادیث المختارۃ" میں کی ہے اور اسی طرح ابن حبان نے اپنی صحیح

اور مسلسل روزہ سے روکا ہے[1]۔ اور فرمایا "افضل روزہ یا عادلانہ روزہ داؤدؑ کا روزہ ہے[2] وہ ایک روز روزہ رکھتے تھے اور ایک

یں عمرو بن الحارث کے طریق سے کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے عطاء بن ابی رباح کو یہ کہتے سنا انھوں نے کہا میں نے ابن عباس کو کہتے سنا۔ یہ صحیح سند ہے، اس کی تخریج دارقطنی اور طیالسی نے اور بیہقی نے بطریق طلحہ بن عمرو بواسطہ عطاءؒ کی ہے اور طلحہ ضعیف ہیں۔

[1] شیخین اور دوسرے لوگوں نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ نبیؐ نے پیہم روزہ رکھنے سے منع کیا ہے لوگوں نے پوچھا؛ آپ تو پیہم روزہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے جواب دیا؛ میں تمہاری طرح نہیں ہوں میں کھلایا اور پلایا جاتا ہوں" شیخین نے اس کی تخریج حدیث ابوہریرہؓ سے کی ہے اور اس میں ہے " میں رات گزارتا ہوں۔ مجھے میرا رب کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔"

[2] شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے اس کی تخریج کی ہے،

روزنا غہ کرتے تھے اور جب جنگ میں مڈبھیڑ ہوتی تو فرار اختیار نہیں کرتے تھے۔"

عبادات میں میانہ روی شریعت کا اہم ترین مقصد ہے اسی لیے اللہ تعالے کہتا ہے۔:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں حرام نہ کرلو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اللہ کو زیادتی کرنے والے سخت ناپسند ہیں۔ (مائدہ : ۸۷)

اس نے حلال کو حرام ٹھہرانا ظلم کہا ہے جو عدل کی ضد ہے اور ایک دوسرے مقام پر کہتا ہے۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْھِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَھُمْ وَبِصَدِّھِمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَثِیْرًا ۙ

وَّ اَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ (نساء، ۱۶۰، ۱۶۱)

(ان یہودیوں کے اسی ظالمانہ رویہ کی بنا پر اور اس بنا پر کہ یہ بکثرت اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور سود لیتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا ہم نے بہت سی وہ پاک چیزیں ان پر حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیئے حلال تھیں۔)

چونکہ انہوں نے ظلم کیا اس لیئے حلال وطیب چیزیں بھی ان پر حرام کر دی گئیں۔ اس کے برعکس عادلانہ امت کے کہ اس کے لیئے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئیں اور خبیث وخراب چیزیں حرام کر دی گئیں۔

چونکہ یہ بات ہے اس لیئے روزہ دار کو ان چیزوں کے استعمال سے بھی روک دیا گیا۔ کہ وہ ایسی چیزیں خارج نہ کرے جس سے وہ کمزور ہو جائے اور وہ مادہ نکل جائے جس سے اسے غذا حاصل ہو رہی ہے ورنہ اگر وہ ایسا کرے گا تو اسے نقصان

ہوگا اور اس کی عبادت عدل پر مبنی نہ رہ کر غلو اور تعدی سے محفوظ نہ رہ سکے گی۔

خروج ہونے والی چیزیں دو قسم کی ہیں: ایک قسم تو وہ ہے جس سے احتراز کرنے پر انسان قادر نہیں ہے یا جس کا خروج انسان کو نقصان نہیں پہنچاتا تو اس قسم سے روکا نہیں گیا ہے۔ جیسے پیشاب پاخانہ، ان دونوں کا خروج نقصان دہ ہے نہ ان سے اجتناب ممکن ہے اگر خروج کا وقت آجائے۔ ان کا خروج نقصان دہ ہونے کے بجائے مفید ہے۔

اسی طرح اگر قے آجائے تو اس سے بچنا ممکن نہیں ہے، ایسے ہی سوتے میں احتلام سے نہیں بچا جا سکتا۔

ہاں اگر وہ جان بوجھ کر قے کرے تو قے اس کھانے پانی کو نکال دیتی ہے جس سے وہ غذا حاصل کرتا ہے اور جو معدہ میں تبدیلی لاتا ہے، یہی حال قصداً منی کے انزال کا ہے۔ ساتھ ہی اس میں

شہوت بھی ہے وہ اس منی کا خروج کرتا ہے جو معدہ میں تبدیلی اور الٹ پھیر کا باعث بنتی ہے اور وہ اس خون کو خارج کر دیتا ہے جس سے وہ غذا حاصل کرتا ہے اس لیے منی کے خروج میں اگر افراط ہو جائے تو یہ انسان کے لیے نقصان دہ ہے اور اس کے ساتھ خون بھی نکلنے لگتا ہے۔

وہ خون جو حیض کے زمانے میں نکلتا ہے۔ اس میں بھی خون ہی کا خروج ہوتا ہے اور حائضہ دوسرے اوقات میں جب کہ خون کا خروج نہ ہو رہا ہو روزہ رکھ سکتی ہے اس دوسری حالت میں اس کا روزہ اعتدال پر مبنی ہو گا اس میں وہ خون نہ نکلے گا جو بدن کو تقویت دیتا ہے اور حیض کی حالت میں روزہ رکھنے سے یہ واجب آئے گا کہ اس میں اس کا وہ خون خارج ہو جائے جو اس کا مادہ ہے اور اسکے بدن کو نقصان پہنچے گا اور اسے کمزور کر دے گا اور اس کا روزہ اعتدال کی حدود سے نکل جائے گا اسی لیے اسے حکم دیا گیا کہ وہ ایام حیض کے ماسوا دوسرے

دنوں میں روزہ رکھے۔

اس کے برعکس استحاضہ کا معاملہ ہے۔ اس لیئے کہ استحاضہ پورے اوقات پر حاوی ہے اس کا کوئی متعین وقت نہیں ہے اس کے علاوہ دوسرے اوقات میں روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے بلکہ اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ اگر روزہ استحاضہ کے آخر تک ملتوی کر دے تو آخر میں پھر استحاضہ آسکتا ہے۔ اس لیئے عورت کے لیئے اس سے بچنا اس طرح ممکن نہیں ہے جس طرح قے سے اور زخموں اور پھوڑوں سے خون رسنے سے اور احتلام سے احتراز کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیئے اسے حیض کے خون کے برعکس روزے کا منافی نہیں بنایا۔

اس پر پچھپنا اور فصد کے خون کو بھی قیاس کر سکتے ہیں۔ پچھپنا کے سلسلے میں علماء میں اختلاف ہے کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں ٹوٹتا اور نبیؐ کے اس قول "پچھپنا لگانے اور پچھپنا لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے" کی بے شمار احادیث ہیں جن کی حافظین

حدیث آئمہ نے توضیح کی ہے۔

متعدد صحابہ نے روزہ دار کے لیئے پچھنا کو مکروہ قرار دیا ہے۔ بعض صحابہ ایسے تھے جو صرف رات میں پچھنا لگواتے تھے۔

اہل بصرہ کا معمول تھا کہ جب رمضان کا مہینہ شروع ہو جاتا تو پچھنا لگانے والوں کی دکانیں بند کر دیتے تھے۔ اور حجامت (پچھنا) روزہ کو توڑ دیتی ہے یہ اکثر فقہائے حدیث کا مسلک ہے۔ جیسے احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ، ابن خزیمہ، ابن المنذر وغیرہ۔

اور اہل حدیث فقہا اسی پر عامل ہیں، وہ لوگ نبی اکرمؐ کی پیروی میں سب سے ممتاز ہیں۔ اور جو لوگ پچھنا لگوانے سے روزہ نہ ٹوٹنے کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو "الصحیح" میں ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنا لگوایا حالانکہ آپ حالت

احرام میں روزے سے تھے [۱]

---

[۱] یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ "صحیحین" کی کسی کتاب میں نہیں ہے جیسا کہ مصنف خود آگے کہتے ہیں۔ بلکہ بخاری کے ہاں ان الفاظ کے ساتھ ہے (۱: ۴۸۴) "پچھنا لگوایا اور وہ احرام باندھے ہوئے تھے اور آپ نے پچھنا لگوایا اور روزے سے تھے" اس کو بطریق وہیب عن ایوب عن عکرمہ عن ابی عباس روایت کی ہے پھر اسے (۴: ۵۳) بطریق عبدالوارث روایت ہے وہ کہتے ہیں ہمیں ایوب نے بتایا لیکن اس میں حدیث کا پہلا آدھا حصہ نہیں ہے اور ترمذی (۱: ۱۴۹) نے دونوں الفاظ کے ساتھ ان الفاظ میں روایت کی ہے جسے مؤلف نے بخاری کی طرف منسوب کیا ہے دونوں روایتوں میں بڑا فرق ہے۔ اس لیئے کہ ترمذی کی روایت بتاتی ہے کہ پچھنا ایک ہی دن بحالت صیام و احرام آپ نے لگوایا اور یہ مشکل ہے اس لیئے کہ نبیؐ نے احرام کی جہت کی طرف صرف غزوہ فتح مکہ میں سفر کیا ہے اور اس وقت آپ صوم کی حالت میں نہیں تھے، جیسا کہ "التلخیص" (۱۸۹) میں ہے اور بخاری کی روایت میں اس

احمد وغیرہ نے اس اضافہ "وھو صائم" پر اعتراض کیا ہے اور کہتے ہیں کہ ثابت یہ ہے کہ آپ نے پچھنا لگوایا اور حالت احرام میں تھے۔ احمد کہتے ہیں: یحییٰ بن سعید نے کہا: شعبہ کہتے ہیں حکم نے صائم کے لیئے حجامت کے سلسلے میں مقسم کی حدیث نہیں سنی۔ یعنی شعبہ کی حدیث جو عن الحکم عن مقسم عن ابن عباسؓ

طرح کا کوئی اشکال نہیں ہے۔ بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو حالات کے بارے میں خبر دے دی گئی ہے، ان میں سے ہر ایک دوسرے سے الگ اور مستقل ہے۔ اسی لیئے حافظ کہتے ہیں کہ ترمذی کی روایت میں بعض راویوں کو وہم ہو گیا ہے اور صحیح بخاری کی روایت ہے وہ کہتے ہیں: "اس حدیث کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ ان میں سے ہر ایک کا ایک مستقل حالت میں صدور ہوا، اور اس میں کوئی دشواری بھی نہیں ہے اور اس کو تقویت اس سے بھی ملتی ہے کہ اکثر احادیث نے الگ الگ بیان کیا ہے" یعنی ہر قضیہ دوسرے سے الگ ہے۔

مروی ہے کہ نبیؐ نے پچھنا لگوایا اور وہ روزے سے حالت احرام میں تھے [1]

مہنا کہتے ہیں : میں نے احمد سے حدیث حبیب بن الشہید عن میمون بن مہران عن ابن عباس کے بارے میں پوچھا کہ: "اللہ کے رسولؐ نے پچھنا لگوایا اور وہ روزے سے تھے اور حالت احرام میں

---

[1] ان الفاظ کے ساتھ احمد نے روایت کی ہے لیکن اس میں (۱ : ۲۴۴، ۲۸۶، ۳۴۴) "محرم" نہیں ہے یہ شعبہ سے متعدد طریق سے روایت ہے اور طحاوی (۱ : ۳۵۱) نے بطریق ابن ابی لیلیٰ بواسطہ حکم روایت کی ہے اور اس میں "محرمؐ" کا اضافہ ہے اور ابن ابی لیلیٰ ضعیف ہیں۔ اسی طرح انہوں نے ابو داؤد نے، ابن ماجہ نے، احمد نے اور بیہقی نے یزید بن ابی زیاد بواسطہ مقسم متعدد طریق سے روایت کی ہے اور اس میں یزید سوء حفظ کی وجہ سے ضعیف ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس لفظ کے ساتھ حدیث صحیح نہیں ہے۔

تجھے "کیسی حدیث ہے ؟ تو انہوں نے کہا : یہ صحیح نہیں ہے اور یحییٰ بن سعید الانصاری نے اسے منکر کہا ہے لہ صرف میمون بن مھران کی احادیث بروایت ابن عباسؓ پندرہ ہیں ۔

اثرم کہتے ہیں : میں نے ابو عبداللہ کو اس حدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا چنانچہ انہوں نے اسے ضعیف قرار دے دیا اور فرمایا : انصاری کی کتابیں فتنہ کی نذر ہو گئیں ۔ اس کے بعد وہ اپنے غلام کی کتابوں سے روایت کرنے لگے اور یہ حدیث انہی میں سے ہے ۔

اور مھنا کہتے ہیں : میں نے احمد سے حدیث قبیصہ کے بارے میں پوچھا جو انہوں نے سفیان سے بواسطہ حماد بواسطہ سعید بن

لہ میں کہتا ہوں : اس سلسلے سے ترمذی نے اس کی روایت کی ہے لیکن اس میں "محرم" کا لفظ نہیں ہے جیسا کہ عنقریب یہ حدیث آئے گی اور یہی صحیح ہے ۔

جبیر بروایت ابن عباسؓ نقل کی ہے کہ "نبیؐ نے روزے اور احرام کی حالت میں پچھنا لگوایا" تو انہوں نے فرمایا: یہ قبیصہ کی طرف سے غلطی کا نتیجہ ہے۔

اور میں نے قبیصہ کے بارے میں یحییٰ سے پوچھا تو انہوں نے کہا سچا آدمی ہے اور جس حدیث کی انہوں نے سفیان سے بواسطہ سعید روایت کی ہے اس میں ان کی طرف سے غلطی ہو گئی ہے۔

مہنا کہتے ہیں: اور میں نے احمد سے حدیث ابن عباسؓ کے بارے میں پوچھا کہ نبیؐ نے پچھنا لگوایا اور بحالت احرام وصیام تھے؟ تو آپ نے فرمایا: اس میں صائمؓ کا لفظ نہیں ہے صرف محرمؒ کا لفظ ہے۔ اس کا ذکر سفیان نے بواسطہ عمرو بن دینار بواسطہ طاؤس بروایت ابن عباس اسی طرح کیا ہے۔

عبدالرزاق سے روایت ہے وہ معمر سے اور وہ ابن خیثم سے اور وہ سعید بن جبیر سے اور وہ ابن عباس سے اسی طرح روایت کرتے

ہیں یہ ابن عباسؓ کے ساتھی ہیں انہوں نے اس میں صائمؐ کا ذکر نہیں کیا ہے لہ

لہ میں کہتا ہوں ، اگرچہ جن لوگوں کا امام احمد نے نام لیا ہے انہوں نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ دوسرے لوگوں نے تو اس کا ذکر کیا ہے ۔ جیسے بخاری کے نزدیک عکرمہ ہیں اور یہ حدیث گزر چکی ہے ، ترمذی (۱ : ۱۴۹) کے ہاں میمون بن مہران ہیں اور اس کے الفاظ یہ ہیں " آپ نے پچھنا لگوایا اور روزے سے تھے " اور فرمایا کہ " حدیث حسن ہے اس سلسلے سے غریب ہے " ۔ اور زاد المعاد میں ابن قیم کا قول کہ " صحیح نہیں ہے " اس تحقیق سے قابل رد ہے اور فتح الباری (۴ : ۱۵۵) میں حافظ کے بقول یہ " حدیث صحیح ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے " لیکن " پچھنا لگانے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے " کی حدیث کو منسوخ کرنے کے لیئے مندرجہ بالا احادیث سے استدلال کرنا خالی از بحث نہیں ہے اس سلسلے میں حدیث ابو سعید خدریؓ سے استدلال کرنا زیادہ موزوں ہے

میں کہتا ہوں : امام احمد نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے اس پر بخاری و مسلم متفق ہیں اسی لیے انہوں نے اس حدیث سے اعراض کیا جس میں روزہ دار کے پچھنا لگوانے کا ذکر کیا ہے اور دونوں صرف محرمؒ کے پچھنا لگوانے پر متفق ہیں لے جیسا کہ امام احمد نے اس کا ذکر کیا ہے دونوں

آپ نے فرمایا "اللہ کے رسولؐ نے روزہ رکھنے والے کو حجامت (پچھنا لگوانے) کی رخصت دی ہے۔" دار قطنی (۲۳۹) اور دوسروں نے صحیح سند کے ساتھ اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ جیسا کہ فتح الباری (۴ : ۱۵۵) میں ہے اس لیے اسے اختیار کرنا واجب ہے۔ اس لیے کہ رخصت عزیمت کے بعد ہی ہوتی ہے چنانچہ یہ حدیث ان احادیث کو منسوخ کر دیتی ہے جن میں حجامت (پچھنا) کو روزہ کے ٹوٹنے کا سبب بنایا ہے چاہے حاجم ہو یا محجوم جیسا کہ ابن حزم وغیرہ نے کہا ہے۔

لے اس میں اختلاف ہے بخاری نے روزہ کو بھی ثابت کیا ہے لیکن احرام سے الگ کر کے جیسا کہ اس کی تحقیق پیچھے گزر چکی ہے۔

نے صحیحین میں بواسطہ عمر و بواسطہ طاؤس بروایت ابن عباسؓ یہ حدیث نقل کی ہے کہ "نبیؐ نے پچھنا لگوایا اور آپ حالت میں تھے"۔

ان لوگوں نے حجامت والی حدیث کی نہایت کمزور تاویلات کی ہیں جیسے وہ کہتے ہیں: یہ دونوں غائب تھے یا وہ کہتے ہیں: دوسرے سبب سے یہ روزہ توڑتا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے بہتر تاویل وہ ہے جو امام شافعی نے اختیار کی ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ یہ قول ۱۸ رمضان کا ہے اور روزے اور احرام کی حالت میں آپ نے اس کے بعد پچھنا لگوایا ہے۔ اس لیے کہ احرام تو رمضان کے بعد ہی باندھتے ہیں۔ اور یہ بھی ضعیف ہے اس لیے کہ مذکور حدیث میں یہ نہیں کہ آپ نے اس رمضان کے بعد کہا ہو جس میں آپ نے حاجم اور محجوم دونوں کے روزہ ٹوٹ جانے کا فتویٰ دیا تھا بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ ۶ھ ہجری میں صلح حدیبیہ کے سال عمرہ کا احرام باندھا

تھا اور اگلے سال ذی قعدہ میں عمرۃ القضیہ کا احرام باندھا تھا اور تیسرے سال عام فتح مکہ کو جعرانہ سے ذی قعدہ میں عمرہ کا احرام باندھا تھا اور حجۃ الوداع کے موقع پر دسویں سال حج کا احرام باندھا۔

بحالت روزہ آپ کا پچھنا لگوانا کسی احرام میں واضح نہیں ہے منسوخ کرنے کا دعویٰ دو شرطوں کے ساتھ ہو سکتا ہے: ایک یہ کہ آپ نے حج میں یا عمرۃ الجعرانہ میں کیا ہو اس لیے کہ حاجم و محجوم کے روزہ ٹوٹ جانے والی حدیث غزوۂ فتح مکہ کے موقع کی ہے ہو سکتا ہے کہ آپ نے پچھنا اس سے قبل کسی عمرۃ میں یا تو عمرۃ القضیہ یا عمرۃ الحدیبیہ میں لگوایا ہو۔

دوسری شرط یہ کہ: یہ معلوم ہو جائے کہ جب آپ نے پچھنا لگوایا اس وقت روزے کی حالت میں نہیں تھے، لیکن حدیث میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے وہ روزہ رمضان کے مہینے کا نہیں تھا۔ اس لیے کہ رمضان میں احرام نہیں باندھا تھا۔ بلکہ سفر

میں احرام باندھا تھا اور سفر میں روزہ واجب نہیں ہے بلکہ صحیح میں جو ثابت ہے وہ یہ کہ آخر میں آپ سفر میں روزہ نہ رکھتے تھے اور یہ کہ عام الفتح کو آپ نکلے یہاں تک کہ جب کدید کے مقام پر پہنچے تو روزہ توڑ دیا اور لوگ آپ کو دیکھ رہے تھے۔ اس کے بعد معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ نے سفر میں کبھی روزہ رکھا ہو۔ اس سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ جس احرام میں آپ نے پچھنا لگوایا وہ فتح مکہ سے پہلے باندھا ہو گا اور حاجم و محجوم والی حدیث بلاشبہ عام فتح مکہ کی ہے۔ اسی طرح بہترین احادیث میں آیا ہے۔

احمد کہتے ہیں :

ہمیں بتایا اسمٰعیل نے بواسطہ خالد الحذاء بواسطہ ابو قلابہ بواسطہ ابو اشعث بواسطہ شداد بن اوس کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عام الفتح کو ایک آدمی کے سامنے گزرے جو بقیع میں پچھنا لگوا رہا تھا اور رمضان کی ۱۸ تاریخ تھی تو آپ نے

فرمایا: حاجم اور محجوم دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا"[1]

امام احمد یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمیں بتایا اسمٰعیل نے انہیں بتایا ہشام الدستوائی نے بواسطہ یحییٰ بن ابی کثیر بواسطہ ابوقلابہ بواسطہ ابو اسماء بروایت ثوبان رضی اللہ عنہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو رمضان میں پچھنا لگوا رہا تھا تو آپ نے فرمایا "پچھنا لگانے والے لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا۔"

اور کہتے ہیں: ہمیں بتایا ابو الجواب نے بواسطہ عمار بن زریق بواسطہ عطار بن السائب، وہ کہتے ہیں مجھے بتایا حسن نے بواسطہ معقل بن سنان الاشجعی کہ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور رمضان کی ۱۸ تاریخ کو پچھنا لگوا رہا تھا تو آپ نے فرمایا: "پچھنا لگانے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا۔" ترمذی

---

[1] میں کہتا ہوں یہ صحیح سند ہے لیکن ابوسعید کی صحیح حدیث (جو اوپر گذر چکی ہے) کے ذریعہ منسوخ ہے

علی بن المدینی سے روایت کرتے ہیں کہ اس باب میں صحیح ترین احادیث ثوبانؓ اور شداد بن اوسؓ کی ہیں۔

اور ترمذی کہتے ہیں[1]: میں نے بخاری سے پوچھا تو انہوں نے کہا: اس باب میں ثوبان اور شداد بن اوس کے مقابلے میں صحیح ترین احادیث اور نہیں ہیں۔ میں نے کہا: اس میں اضطراب کیا ہے؟ فرمایا دونوں میرے نزدیک صحیح ہیں اس لیئے کہ یحییٰ بن سعید نے دونوں حدیثیں بیان کیں ہیں ایک روایت انہوں نے ابوقلابہ سے بواسطہ ابو اسمار بواسطہ ثوبان کی ہے اور دوسری ابوقلابہ سے بواسطہ ابوالاشعث سے بواسطہ شداد بن اوس۔

میں کہتا ہوں: بخاری نے جو بات کہی ہے وہ ان دونوں حدیثوں

---

[1] اس سے وہم ہوتا ہے کہ شاید یہ حدیث سنن میں ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ان کی تصنیف "العلل الکبری" میں ہے، جیسا کہ "نصب الرایۃ" (۲؍۴۷۲) میں ہے۔

کی صحت پر سب سے زیادہ مضبوط دلیل ہے جن کی روایت ابو قلابہ نے کی ہے،
انہوں نے اضطراب کی بات اس لیے کہی تھی کہ وہی حدیث ابو قلابہ سے
دو سندوں سے مروی ہے[۱]
معلوم ہوا کہ یحییٰ بن سعید نے ابو قلابہ سے اسی حدیث کی دو سندیں

---

[۱] ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور بخاری وغیرہ نے کہا ہے:
یہ غیر محفوظ ہے۔ ان کی مراد رافع سے خاص طور پر ہے چاہے بخاری کی بات صحیح ہو
یا احمد کی لیکن یہ حدیث قطعی طور پر صحیح ہے بلکہ متواتر ہے مختلف صحابہ سے مروی ہے۔
جیسے ابو موسیٰ معقل بن یسار، اسامہ بن زید، بلال، علی، عائشہ، ابو ہریرہ، انس
جابر ابن عمر، سعد بن ابی وقاص، ابی یزید انصاری، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم۔ ان
سب کی تخریج، حافظ ابن حجر نے "التلخیص" (۱۹۰) میں کی ہے۔ لیکن جمہور
علماء کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے اور "التعلیق" (ص ۶۹) میں اس کے منسوخ
ہونے کی صحیح دلیل گزر چکی ہے۔

کے ساتھ روایت کی ہے اس طرح متعدد طرق سے یہ حدیث ان کے پاس ہے
اور زہری نے حدیث بواسطہ سعید بواسطہ ابوہریرہؓ روایت کی ہے
اور کبھی کسی اور شخص کے واسطہ سے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے یہی حدیث
ناسخ ہے چاہے تاریخ معلوم نہ ہو۔

جب دو حدیثیں آپس میں متعارض ہوں ایک اصل سے منتقل ہو رہی ہو اور دوسری اصل پر باقی رہے تو ناقل ہی کو ناسخ ہونے میں اصل مانا جائے گا۔ تاکہ دوبار حکم کی تبدیلی لازم نہ آئے اگر یہ طے ہو جائے کہ حجامت آپ نے روزہ دار کو اس سے روکنے سے پہلے لگوائی تھی تو حکم کی تبدیلی لازم نہیں آئے گی اور اگر یہ معلوم ہو کہ روکنے کے بعد آپ نے پچھنا لگوایا ہے تو دوبار حکم کی تبدیلی لازم آئے گی۔

اور یہ بات بھی ہے کہ جب روزہ واجب نہ ہو تو روزہ کے وقت پچھنا لگوا کر روزہ توڑا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ نبیؐ نفل روزوں کو ان کی وہ اہمیت نہ ہونے کی وجہ سے توڑ دیا کرتے تھے۔ آپ

گھر میں تشریف لاتے اگر لوگ کہتے کہ ہمارے پاس کھانا ہے تو آپ کہتے اسے قریب کرو کیونکہ میں روزے سے تھا۔

اور حضرت ابن عباسؓ کو آپؐ کے دل کا حال اگرچہ معلوم نہ تھا، تاہم اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ انہوں نے آپؐ کو دیکھا یا دیکھنے والوں نے بتایا کہ آپ نے روزے کی حالت میں پچھنا لگوایا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کو آپ کے دل کا حال معلوم تھا کہ آپ نے اپنا روزہ برقرار رکھا جس کے خلاف منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا جا رہا ہے اس پر یہ حجت دو پہلوؤں سے غالب ہے ایک پہلو تو یہ ہے کہ اس حدیث میں کوئی حجت اور دلیل نہیں ہے اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

دار قطنی کی ایک روایت بتاتی ہے کہ حجامت سے روزہ ٹوٹ جانے والی حدیث ناسخ ہے وہ کہتے ہیں: ہمیں بغوی نے بتایا، وہ کہتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے بتایا، وہ کہتے ہیں: ہمیں خالد بن

مخلد نے بتایا بواسطہ عبد اللہ بن المثنیٰ بواسطہ ثابت بواسطہ انس بن مالک وہ کہتے ہیں: شروع میں ہمیں روزہ دار کے لیے حجامت (پچھنا) کی کراہیت اس وقت معلوم ہوئی جب جعفر بن ابی طالب نے پچھنا لگوایا اور وہ روزے سے تھے، نبیؐ آپ کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ان دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔ پھر نبیؐ نے روزہ دار کے لیے حجامت (پچھنا) کی رخصت دے دی اور انسؓ روزہ کی حالت میں پچھنا لگواتے تھے۔

دارقطنی کہتے ہیں: یہ سب ثقہ ہیں اور میں اس کی کوئی علت نہیں جانتا ابوالفرج ابن الجوزی کہتے ہیں: احمد بن حنبل نے کہا: خالد بن مخلد کی بہت سی منکر احادیث ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس چیز کے منکر ہونے پر یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ اسے کسی معتمد کتاب حدیث نے روایت نہیں کی ہے ساتھ ہی یہ بخاری کی شرط کے مطابق ظاہر میں ہے۔

بصریوں کا مشہور مسلک یہی رہا ہے کہ پچھنا روزے کو توڑ دیتا ہے اور یہ بات بھی ہے کہ جعفر بن ابی طالب حبشہ سے عام خیبر کو چھٹے

سال کے آخر میں اور ساتویں سال کے آغاز میں آئے تھے۔ اس لیئے کہ خیبر کی جنگ ساتویں سال ہوئی تھی اور کہا جاتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے موتہ کے سال آئے اور فتح مکہ میں حاضر نہیں تھے تو انہوں نے نبیؐ کے ساتھ ساتویں سال ایک روزہ رکھا۔ اگر یہ حکم اس سال لاگو کیا گیا تو یہ چیز پھیل گئی ہوگی اور مذکورہ حدیث اس کے بعد آٹھویں سال کی ہے اور اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو نبیؐ نے یہ بات ایک سال بعد دوسرے سال کہی ہے اور کسی نے ثابت الفاظ میں آپ سے یہ نقل نہیں کیا کہ آپ نے اس کے بعد پچھنا لگوانے کی اجازت دی ہو ہوسکتا ہے کسی نے انسؓ کی طرف وہ بات منسوب کر دی ہو جو آپ نے کہی، یا انہیں یہی بات معلوم رہی ہو کہ آپ نے رخصت دی ہے اور کوئی زائد حکم نہ سنا ہو یا کسی تابعی نے اس سے انہیں باخبر کیا ہو۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بخاری نے جو روایت کی ہے وہ انسؓ

سے محفوظ ہے نہ ثابتؓ سے

وہ کہتے ہیں: انس بن مالک سے پوچھا گیا: کیا آپ لوگ روزہ دار کے لیے پچھنا لگوانے کو ناپسند کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: نہیں البتہ اگر اس کی وجہ سے کمزوری آجائے اور ایک روایت میں ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں" یہ حدیث ثابت ہے۔ انسؓ سے مروی ہے اس میں صرف یہ ہے کہ وہ لوگ صرف کمزوری کی وجہ سے اسے ناپسند کرتے تھے وہ روزہ کو نہیں توڑتا ہے نہ اس میں یہ ہے کہ آپ نے اس کے بعد اس سلسلے میں کوئی رخصت دی ہے اور یہ دونوں باتیں اس قول کی مخالف ہیں۔ کہ وہ لوگ محض کمزوری کی وجہ سے اسے مکروہ سمجھتے تھے اگر انہیں یہ بات معلوم ہوتی کہ آپؐ نے رخصت دی ہے تو جس چیز کی رخصت نبیؐ نے دی تھی اسے کبھی مکروہ قرار نہ دیتے معلوم ہوا کہ ان کے پاس محض یہ علم تھا کہ صحابہ کمزوری کی وجہ سے اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔ اور

یہی صحیح مفہوم ہے اور روزہ دار کا روزہ توڑ دینے کی علت بھی، جیسے قے کر دینے یا حیض کا خون آجانے کی وجہ سے کمزوری آتی ہے اور اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

اس حکم کو اس سے بھی تقویت ملتی ہے کہ یہ روایت آپؐ کے ان خاص صحابہ نے کی ہے جو سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے اور آپ کے اندرون سے بھی واقف ہوتے تھے۔ جیسے بلالؓ اور عائشہؓ، اسامہؓ اور ثوبانؓ اور ان انصار نے روایت کی ہے جو آپ کے رازدار تھے جیسے رافع بن خدیج اور شداد بن اوس۔ مسند احمد میں ہے: ہمیں بتایا عبدالرزاق نے وہ کہتے ہیں: ہمیں بتایا معمر بن یحییٰ بن ابی کثیر نے بواسطہ عبداللہ بن قارظ بواسطہ سائب بن یزید بروایت رافع بن خدیجؓ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پچھنا لگانے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا"۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں: اس باب میں صحیح ترین حدیث رافع بن خدیج کی ہے۔

اور احمد کہتے ہیں: ہمیں بتایا یحییٰ بن سعید نے بواسطہ اشعث حرانی بواسطہ اسامہ بن زید کہ نبیؐ نے فرمایا "پچھنا لگانے والے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا" اور احمد کہتے ہیں: ہمیں بتایا یزید بن ہارون نے وہ کہتے ہیں۔ ہمیں بتایا ابوالعلاء نے بواسطہ قتادہ بواسطہ شہر بن حوشب بواسطہ بلالؓ کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: "حاجم اور محجوم دونوں کے روزے ٹوٹ گئے" اور احمد کہتے ہیں: ہمیں بتایا علی بن عبداللہ نے وہ کہتے ہیں: ہمیں بتایا عبدالوہاب ثقفی نے وہ کہتے ہیں: ہمیں بتایا یونس بن عبید نے بواسطہ حسن بروایت ابوہریرہؓ کہ اللہ کے رسول نے فرمایا: حاجم و محجوم دونوں کے روزے ٹوٹ گئے، اور احمد کہتے ہیں: ہمیں بتایا ابونضر نے۔ وہ کہتے ہیں ہمیں بتایا ابومعاویہ نے بواسطہ سفیان بواسطہ لیث بواسطہ عطاء بروایت عائشہؓ کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: "حاجم و محجوم دونوں کے روزے ٹوٹ گئے" اور حسن بصری

کے بارے میں اگرچہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اسامہؓ اور ابوہریرہؓ سے نہیں سنا لیکن اس باب میں ان کے پاس متعدد صحابہ کی احادیث تھیں جنہیں وہ معقل بن سنان اور اسامہؓ اور ابوہریرہؓ سے نقل کرتے تھے۔

(بخاری کہتے ہیں : اور حسن بصری ...[1])

جب رمضان کا مہینہ آتا تو بصرہ کے لوگ حجاموں (پچھنا لگانے والوں) کی دکانیں بند کروا دیتے تھے۔ اس کا ذکر احمد وغیرہ نے کیا ہے اور انس بن مالک بصرہ کے آخری وفات پانے والے صحابیوں میں ہیں۔ اہل بصرہ ان سے استفادہ کرتے تھے۔ اگر انسؓ

---

[1] اصل میں اس طرح غیر مکمل جملہ موجود ہے۔ شاید مکمل اس طرح ہے جیسا کہ فتح الباری ۱۵۱/۹ میں ہے ... ترمذی نے العلل الکبیر میں نقل کیا ہے بخاری سے کہ انہوں نے کہا: "اس بات کا احتمال ہے کہ حسن نے متعدد صحابہ سے سنا ہو۔"

کے پاس نبیؐ کی حدیث ہوتی کہ آپؐ نے روکنے کے بعد پھر رخصت دے دی تھی تو بصرہ کے باشندوں کو اس کا ضرور علم ہوتا اور حسن بصری اور ان کے ساتھی اس پر ضرور عمل کرتے خاص طور سے جب کہ کہا جاتا ہے کہ ثابتؒ نے انسؓ سے حدیث سنی تھی اور ثابت بصرہ کے مشہور شیخ اور حسن بصری کے خاص ساتھیوں میں سے تھے پھر بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انسؓ کے پاس موجود تھی اور اہل بصرہ کے ہاں منسوخ حدیث رائج تھی اور یہ ناسخ حدیث انسؓ کے پاس موجود تھی اور وہ ان سے شب و روز استفادہ کرتے تھے۔ لیکن اس حدیث سے ناواقف تھے اور ان کے علماء کے پاس یہ حدیث موجود نہ تھی جن کے ہاں روزہ ٹوٹنے کا مسئلہ رائج تھا اور اس کی تائید اس وجہ سے بھی ہوتی ہے کہ ابو قلابہ انسؓ کے [illegible]ن ساتھیوں میں تھے اور انہوں نے دو طریقوں سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ "حاجم و محجوم کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔"

پھر اس مسلک کے ماننے والے کہ "حجامت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے" جیسا کہ امام احمدؒ وغیرہ کا مسلک ہے چار اقوال میں منقسم ہو گئے

پہلا قول پچھنا لگانے والے کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ ہاں لگوانے والے کا ٹوٹ جائے گا اس لیئے کہ پچھنا لگانے والے سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوتی جو روزے کو نقصان پہنچائے اس کا خرقی نے ذکر کیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ روزہ اس وقت ٹوٹ جاتا ہے جب کوئی پچھنا لگواتا ہے لیکن پچھنا لگانے والے کا کچھ نقصان نہیں ہو گا[1] لیکن امام احمد اور ان کے جمہور ساتھی یہی کہتے ہیں۔ کہ دونوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا اور نص اس پر گواہ ہے اس لیئے اسے ترک کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے چاہے اس کی علت ہماری سمجھ میں نہ آئے۔

---

[1] دیکھیے "مختصر الخرقی" ص ۵۸ مطبوعہ مکتب اسلامی

دوسرا قول پچھنا لگانے والے کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس شخص کا بھی جو پچھنا لگوائے اور اس سے خون نکل آئے اور محض فصد کھلوانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ اسے احتجام نہیں کہا جا سکتا یہ قول قاضی اور ان کے اصحاب کا ہے اور اس کا ذکر" المحرر" کے مصنف نے بھی کیا ہے پھر اسی قول کے مطابق اس امر میں اختلاف ہو گیا کہ کان میں نشتر لگانے کو حجامت کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں متاخرین میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں: کان میں نشتر لگانا حجامت میں شامل ہے یہی ہمارے شیخ ابو محمد المقدسی کا مسلک ہے اور اسی کی طرف تمام علما کا کلام رہنمائی کرتا ہے اس لیے کہ کسی نے اس چیز کو خصوصیت سے ذکر نہیں کیا ہے۔ اگر ان کے نزدیک یہ چیز حجامت میں شامل نہ ہوتی تو اس کا ذکر کرتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کان میں نشتر لگانا حجامت میں شامل رہا ہے ہمارے شیخ ابو محمد کہتے ہیں: یہی صحیح ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تشریط (کان میں نشتر لگوانا) حجامت میں شامل نہیں ہے بلکہ یہ فصد سے بھی کمزور تر چیز ہے، اس لیے اگر یہ کہا جاتا ہے کہ فصد کھلوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا تو تشریط میں بھی دو نکات نظر کی گنجائش ہے۔ یہ ابو عبداللہ ابن حمدان کا قول ہے اور پہلا قول صحیح ہے اس لیے کہ تشریط حجامت ہی میں شامل ہے یا ہر پہلو سے اس کے مثل ہے کیونکہ حجامت پنڈلی ہی کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ سر، گردن اور گردن کے پچھلے حصے وغیرہ میں بھی پچھنا لگوایا جاتا ہے اور جس نے ان دونوں میں فرق کیا ہے وہ کہتے ہیں کان میں نشتر لگانے والا حاجم کی طرح خون کی بوتل سے نہیں چوستا ہے۔ اس لیے وہ حاجم کی فہرست میں نہیں آتا نہ ہی وہ محجوم میں شامل ہے پس کہا جاتا ہے: بلکہ وہ محجوم میں داخل ہے گرچہ حاجم میں داخل نہیں ہے یا گر لفظ میں داخل نہیں ہے تو ہر پہلو سے اس کی مثل ہے، ان دونوں میں اصلاً کوئی فرق ہی نہیں ہے اور کبھی کبھی کہا

جاتا ہے ؛ کان میں نشتر لگانے والا حاجم بھی ہے لیکن اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا اس لیئے کہ رسول اللہ کے لفظ میں وہی حاجم مستعمل ہے جو عام طور پر مشہور ہے اور وہ لوگ تشریط نہیں کرتے تھے۔

تیسرا قول رہا لفظ محجوم تو اس میں معروف و غیر معروف سب شامل ہیں اس لیئے کہ لفظ محجوم کا جو رول ہے وہ سب پر حاوی ہے۔ اس کے برخلاف لفظ حاجم کا معنی سب پر حاوی نہیں ہے یا یہ کہا جاتا ہے کہ ؛ اگرچہ حاجم کا لفظ سب پر حاوی ہو لیکن چوسنے والا حاجم اصل نشانہ ہے کہ اس کے حلق تک خون پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے، اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ : نشتر لگانے والے کا روزہ بھی ٹوٹ جاتا ہے یہ ان لوگوں کا قول ہے جو اس لفظ کو دونوں پر حاوی سمجھتے ہیں۔ اور اس حکم کو تعبدی مانتے ہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حجامت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ فصد کھلوانے سے نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ حکم تعبدی ہے۔ اس کا مفہوم سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے اس

لیے فصد کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

اور کچھ لوگ کہتے ہیں: ان میں ابن عقیل بھی ہیں۔ کہ پچھنا لگوانے والے کا روزہ محض نشتر لگوانے سے ٹوٹ جاتا ہے چاہے خون نہ نکلا ہو اس لیے کہ اس پر حجامت کا اطلاق ہو جاتا ہے اور یہ سب سے ضعیف قول ہے۔[1]

چوتھا قول اور یہی صحیح ہے اسے عالم و عادل وزیر ابو المظفر بن ہبیرہ نے اختیار کیا ہے اور المذہب اور دوسری کتابوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ وہ یہ کہ حجامت اور فصد دونوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس لیے کہ حجامت میں جو مفہوم ہے وہ عقلی طبعی اور شرعی لحاظ سے فصد میں بھی پایا جاتا ہے اور چونکہ آپؐ نے حجامت پر ابھارا اور اس کا حکم دیا ہے اس لیے حجامت کے ہم معنی فصد وغیرہ کی طرف

---

[1] شاید یہی تیسرا قول ہے۔

بھی اسے ترغیب سمجھی جائے گی لیکن گرم علاقوں میں گرمی بدن کے خون کو کھینچ لیتی ہے اور وہ سطح جلد پر آکر جم جاتا ہے۔ چنانچہ پچھنا لگواتے ہی بہہ پڑتا ہے لیکن سرد علاقوں میں خون رگوں میں گہرائی تک اتر جاتا ہے تاکہ ٹھنڈک سے بچ سکے۔ جیسے خالی برتن ٹھنڈک میں سکڑ جاتے ہیں اور گرمی میں پھیل جاتے ہیں۔ جو لوگ سرد علاقوں کے رہنے والے ہیں انہیں فصد کھلوانا ہوتا ہے اور رگیں کٹوانا پڑتی ہیں جیسے گرم علاقوں کے رہنے والوں کو اس کا نظم کرنا پڑتا ہے شرعی حیثیت اور عقلی اعتبار سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ حجامت سے روزہ کا ٹوٹنا قیاس اور اصول کے مطابق ہے اور یہ حیض کے خون، قصداً قے کر لینے اور منی خارج کرنے کے حکم میں آتا ہے جب معاملہ یوں ہے تو جس شکل میں بھی وہ خون نکالنا چاہے، روزہ ٹوٹ جائے گا جیسے قے کر لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے چاہے جس شکل میں وہ قے کرے چاہے ہاتھ ڈال

کر قے کرے یا بدہضمی کی وجہ سے قے کرے یا پیٹ کے نیچے ہاتھ رکھ کر دبائے اور جو کچھ کھایا ہے اسے نکال باہر کرے۔ یہ سب قے کرنے کے مختلف طریقے ہیں اور اوپر کے طریقے خون نکالنے کے ہیں اس لیے خون جس طرح بھی نکالا جائے، طہارت کے باب میں سب یکساں ہے۔ اس سے شریعت کا کمال، اس کا اعتدال و تناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں جو نصوص آتے ہیں وہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (نساء: ۸۲)

(اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی)

رہا پچھنا لگانے والا تو بوتل کی ہوا چوس کر اسے کھینچتا ہے اور ہوا خون کو کھینچتی ہے۔ بسا اوقات ہوا کے ساتھ کچھ خون بھی کھینچ اٹھتا ہے اور حلق میں چلا جاتا ہے اور اسے احساس تک نہیں

ہو پاتا۔ اور حکمت چاہے مخفی ہو یا نمایاں، جہاں اندیشہ ہوگا۔ وہاں حکم لاگو ہوگا جیسے سونے والا نیند سے اٹھتا ہے تو اسے نہیں معلوم ہوتا کہ ریاح خارج ہوئی ہے یا نہیں اور اسے وضو بنانے کا حکم دیا جاتا ہے یہی معاملہ پچھنا لگانے والے کا ہے۔ خون کا کچھ حصہ اس کے منہ میں چلا جاتا ہے اور اسے پتہ نہیں چل پاتا اور یہ معلوم ہے کہ خون سب سے پہلے روزہ کو توڑتا ہے کیونکہ یہ بذات خود حرام ہے اس میں شہوت کی سرکشی اور عدل سے تجاوز کا عنصر موجود ہوتا ہے اور روزہ دار کو اس مادہ کو دبانے کا حکم دیا گیا ہے۔ خون جب جسم میں جائے گا اور خون بڑھ جائے گا اس لیئے وہ ممنوع ہے اس لیئے پچھنا لگانے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے جیسے سونے والے کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ گرچہ ریاح خارج ہونے کا اسے یقین نہ ہو۔ اس لیئے کہ ریاح خارج ہوگئی ہوگی۔ اور اسے معلوم ہی نہ ہوا ہوگا۔

اسی طرح یہاں بھی اس کے حلق میں خون چلا جاتا ہوگا اور اسے

پتہ نہ چلتا ہو گا رہا کان میں نشتر لگانے والا تو اس کی حیثیت حاجم کی نہیں ہے، اس میں یہ مفہوم نا بود ہے اس لیے اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اسی طرح اگر حاجم اگر بوتل (قارورہ) نہ چوسے بلکہ کوئی اور چیز سے یا کسی اور ذریعہ سے خون نکالے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں حاجم کا لفظ اپنے معروف اور راجح معنی میں استعمال ہوا ہے اور اگر لفظ عام ہو تو گرچہ کسی متعین شخص کو مراد لیا ہو، سارے ہی لوگوں کے بارے میں حکم لاگو ہو گا کہ یہی شرعی قاعدہ[1] ہے۔ یعنی جو حکم امت کے ایک فرد پر نافذ ہو گا وہی تمام

---

[1] اصل نسخہ میں للقاعدہ الشرعیۃ کے بجائے للعادۃ الشرعیہ تھا اور یہ اصل میں تحریف ہے اور یہ شیخ الاسلام کے خط کی نقل کرنے والے سے بعید بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ شیخ الاسلام کا خط بہت خراب تھا۔ اپنی اکثر تحریروں میں نقطے چھوڑ دیا کرتے تھے حتی کہ خود انہیں دشواری پیش آتی تو اپنے شاگردوں سے مدد

ت
لوگوں کے اوپر نافذ ہوگا۔ یہ بہترین قاعدہ ہے۔ اس لفظ سے وہ ثابت نہیں ہوتا جو لفظی و معنوی لحاظ سے ثابت ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ شارط (کان میں نشتر لگانے والا) حاجم میں شامل نہیں ہے جبکہ عقل و شریعت کی نگاہ میں بھی دونوں میں کافی بُعد ہے۔

سیتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے اور از اول تا آخر حمد اسی کے لیئے ہے اور " سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ ۔"

دمشق ۲۵ رجب کی صبح ۱۳۸۰ھ

محمد ناصر الدین الالبانی

سوالات اور جوابات

پہلا سوال: شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے بدلی کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا کہ واجب ہے یا نہیں؟ اور کیا بدلی کا دن مشکوک ہے جس میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے یا نہیں؟[1]

جواب: آپ نے فرمایا۔

جب بدلی یا گرد و غبار کی وجہ سے چاند نہ دیکھا جا سکے تو اس سلسلے میں متعدد اقوال ہیں اور یہ مذہب امام احمد وغیرہ میں ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اس دن روزہ رکھنا منع ہے۔ پھر اختلاف

---

[1] یعنی ۲۹ شعبان کو۔ دیکھیے حافظ محمد بن عبدالہادی المقدسی کا رسالہ "تحریم صیام یوم الشک"

اس میں ہے کہ یہ نہی تحریمی ہے یا نہی تنزیہی ؟ یہی امام مالک کا مشہور مسلک ہے۔ امام شافعی اور امام احمد اپنی ایک روایت میں اسی کو مانتے ہیں۔ امام احمد کے اصحاب کا ایک گروہ اسی کو مانتا ہے اس میں ابوالخطاب ابن عقیل ابوالقاسم بن مندہ اصفہانی وغیرہ ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس دن روزہ رکھنا واجب ہے۔ یہ قاضی خرقی اور دوسرے اصحاب امام احمد کا مسلک ہے اور کہا جاتا ہے امام احمد کی مشہور روایت یہی ہے لیکن جو شخص ان کے نصوص والفاظ سے واقف ہے۔ اس کے لیئے امام احمد کا مسلک یہی ہے کہ وہ عبداللہ بن عمر اور دوسرے صحابہ کی اتباع میں بدلی کے دن روزہ رکھنا مستحب سمجھتے تھے اور عبداللہ بن عمر اسے واجب نہیں کہتے تھے بلکہ محض احتیاط کی وجہ سے وہ ایسا کرتے تھے بہت سے ایسے صحابہ تھے جو احتیاط کی وجہ سے اس دن روزہ رکھتے تھے یہ عمل عمر، علی، معاویہ ابوہریرہ، ابن عمر، عائشہ اور اسماء رضی اللہ عنہم وغیرہ سے منقول ہے۔

بہتیرے صحابہ اس دن روزہ نہیں رکھتے تھے بلکہ بعض صحابہ اس دن روزہ رکھنے سے منع بھی کرتے تھے۔ جیسے عمار بن یاسرؓ وغیرہ اس لیئے امام احمدؒ اس دن احتیاط کے پیش نظر روزہ رکھ لیا کرتے تھے۔

لیکن اس دن روزہ رکھنے کو واجب کہنا، امام احمدؒ کی تحریروں میں اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے نہ ان کے کسی ساتھی کا یہ قول ہے لیکن ان کے بہت سے ساتھیوں نے سمجھ لیا کہ ان کا مسلک اس دن روزہ رکھنے کے وجوب کا ہے اور اس سے انہوں نے اس قول کی تائید وتقویت کی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اس دن روزہ رکھنا جائز ہے اور یہ امام ابوحنیفہ وغیرہ کا مسلک ہے اور یہی امام احمد کا صریح منصوص مسلک ہے اور یہی بہتیرے صحابہ وتابعین کا مسلک بھی ہے۔

اس کی حیثیت بالکل وہی ہے جیسے کسی کو طلوع فجر کا پتہ نہ چل سکے تو چاہے تو کھانے پینے سے باز آجائے اور چاہے تو اس وقت تک

کھاتا پیتا رہے جب تک اسے طلوع فجر کا یقین نہ ہو جائے اسی طرح اگر اسے شک ہو جائے کہ وضو ٹوٹ گیا ہے یا نہیں ؟ تو چاہے تو وضو کرلے اور چاہے تو وضو نہ کرے۔ اسی طرح اگر اسے شک ہو جائے کہ زکوٰۃ کا ایک سال ہو گیا یا نہیں ؛ یا اسے شک ہو جائے کہ اس پر واجب زکوٰۃ سو (روپئے یا جانور) ہیں یا ایک سو بیس ؟ تو وہ زیادہ والی تعداد کا ادا کر دے۔

سارے اصول شریعت کی بنیاد یہی ہے، کہ احتیاط نہ تو واجب ہے، اور نہ حرام۔ اگر وہ مطلق نیت سے روزہ رکھ لے یا مشروط نیت سے یعنی یہ کہے کہ اگر یہ دن رمضان کا ہوا تو ٹھیک ہے ورنہ میرا روزہ نفلی ہے تو یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور امام احمد کی صحیح ترین روایت کے مطابق ہے اور وہ روایت وہی ہے جسے مروزی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اسی کو خرقی نے المختصر کی شرح میں ابو البرکات وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اسی وقت جائز ہوگا جب وہ رمضان کی نیت ہی سے روزہ رکھے ۔ یہ امام احمد سے ایک روایت ہے اسے قاضی اور امام احمد کے متعدد ساتھیوں نے اختیار کیا ہے

دوسرا سوال :۔ شیخ الاسلام سے سوال کیا گیا کہ رمضان میں سفر کرنے والے پر روزہ رکھنا کیسا ہے ؟ جو شخص سفر میں روزہ رکھ لیتا ہے اس پر اظہار نکیر کیا جاتا ہے اور اسے جہالت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ روزہ نہ رکھنا افضل ہے ؟ اور قصر کی مسافت کیا ہے ؟ کیا جس دن سے سفر شروع ہو اس دن روزے نہ رکھے ۔ ؟ کیا وہ لوگ جنہیں برابر سفر کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے ، جیسے تاجر، جانوروں کو کرایہ پر دینے والا ، اونٹوں کے ساربان ملاح، سمندر کا سفر کرنے والے وغیرہ ، وہ بھی سفر میں روزہ

نہ رکھیں گے ؟ اور سفر اطاعت اور سفر معصیت میں کیا فرق ہے ۔ ؟

جواب : آپ نے یوں جواب دیا ۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیئے ہیں ۔ مسافر کے لیئے روزہ نہ رکھنا جائز ہے ۔ یہ تمام مسلمانوں کا متفقہ مسئلہ ہے ۔ چاہے حج کا سفر ہو یا جہاد کا یا تجارت کا یا ایسا کوئی سفر ہو جسے اللہ اور اس کے رسول ناپسند نہیں کرتے ۔

سفر معصیت کے سلسلے میں اختلاف ہے جیسے کوئی ڈاکہ ڈالنے کے لیئے سفر کرے ۔ اس میں دو مشہور اقوال ہیں جیسا کہ صلوٰۃ قصر کے سلسلے میں اختلاف کیا ہے ۔

جس سفر میں نماز قصر کی جاتی ہے اس میں قضاء کے ساتھ روزہ نہ رکھنا جائز ہے اس پر تمام آئمہ کا اتفاق ہے اور مسافر کے لیئے روزہ نہ رکھنا جائز ہے اس پر بھی تمام آئمہ کا اتفاق ہے چاہے

روزہ رکھنے پر اسے قدرت ہو یا نہ ہو، چاہے روزہ اس کے لیے مشکل ہو یا آسان یہاں تک کہ اگر وہ سایہ اور پانی میں سفر کرے اور اس کے ساتھ خادم بھی ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور نمازیں قصر ادا کرے۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ سفر میں روزہ نہ رکھنا فقط اس کے لیے جائز ہے، جو روزہ رکھنے سے عاجز ہو تو اس سے توبہ کرائی جائے اگر وہ اس قول سے توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ اسی طرح جو مسافر پر روزہ نہ رکھنے پر اظہار نکیر کرے اس سے بھی توبہ کرائی جائے۔

اور جو کہتا ہے کہ مسافر کے روزہ نہ رکھنے پر اسے گناہ ملتا ہے، تو اس سے بھی توبہ کرائی جائے یہ تمام باتیں اللہ کی کتاب کے خلاف ہیں۔ اللہ کے رسولؐ کی سنت کے خلاف ہیں اور اجماع امت کے خلاف ہیں۔

اسی طرح مسافر کے لیے مسنون یہ ہے کہ چار رکعت والی نمازوں

کو دو ہی رکعت ادا کرے اور اس کے لیے مکمل نماز کی ادائیگی سے قصر کرنا بہتر ہے۔ یہ امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمدؒ اور امام شافعی کا ان کے صحیح تر قول کے مطابق مسلک ہے۔

مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنے کے جواز کے سلسلے میں امت میں اختلاف نہیں ہے بلکہ اختلاف اس کے لیے روزہ رکھنے کے جائز ہونے کے سلسلے میں ہے۔ سلف و خلف کا ایک گروہ کہتا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنے والا ایسا ہے جیسے حضر میں روزہ نہ رکھنے والا اور اگر وہ روزہ رکھ لے تو اس کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اس پر قضا واجب ہے۔ یہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ابوہریرہؓ، اور دوسرے اسلاف سے مروی ہے۔ اور یہی اہل ظاہر کا مسلک ہے صحیحین کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے"۔ لیکن چاروں اماموں کا مسلک یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے اور نہ رکھنا بھی جائز ہے جیسا کہ صحیحین میں انسؓ

سے روایت ہے کہ " ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان میں سفر کرتے تھے تو کچھ لوگ روزہ رکھتے تھے اور کچھ لوگ نہیں رکھتے تھے، لیکن روزہ رکھنے والا روزہ نہ رکھنے والے کو ملامت کرتا نہ اس کے برعکس ہوتا" اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ط يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

(بقرۃ : ۱۸۵)

(اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی گنتی پوری کرے اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا)

مسند کی روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے جس طرح اسے یہ ناپسند ہے کہ معصیت کا ارتکاب کیا جائے۔"

صحیح میں ہے کہ ایک آدمی نے نبیؐ سے پوچھا: میں بہت

روزے رکھنے والا آدمی ہوں تو کیا سفر میں بھی رکھا کروں ؟ آپؐ نے فرمایا " اگر تم روزہ نہ رکھو تو اچھا ہے اور اگر روزہ رکھ لو تو کوئی حرج نہیں ہے ۔"

ایک دوسری حدیث میں ہے : " تم میں بہتر وہ ہیں جو سفر میں روزہ نہیں رکھتے اور قصر کرتے ہیں ۔"

رہی سفر کی وہ مقدار جس میں قصر کرنی ہے اور روزہ نہیں رکھنا ہے تو امام مالک ، امام شافعی ، اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ اونٹ سے اور پیدل دو دِنوں کی مسافت ہے اور وہ ۱۶ سولہ فرسخ ہے ۔ جیسے مکہ اور عسفان ، اور مکہ اور جدہ کے درمیان کی مسافت ہے ، اور امام ابوحنیفہ کہتے ہیں : تین دن کی مسافت ہے اور سلف و خلف کا ایک گروہ کہتا ہے دو دن سے کم مسافت میں بھی قصر کیا جا سکتا ہے ۔ اور روزہ نہ رکھنے کی گنجائش ہے اور یہ مضبوط قول ہے اس لیے کہ ثابت حدیث ہے کہ اللہ کے رسولؐ عرفہ ، مزدلفہ ، اور منیٰ میں نماز پڑھتے تھے اور

قصر کرتے تھے اور آپ کے پیچھے مکہ اور دوسرے علاقوں کے لوگ آپؐ کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے لیکن آپ نے کسی کو نماز مکمل کرنے کا حکم نہیں دیا۔

اگر دن میں کسی وقت وہ سفر کرے تو کیا اس کے لیے روزہ توڑنا جائز ہے۔ اس میں علما کے دو مشہور اقوال ہیں اور یہ دونوں امام احمد سے مروی ہیں۔

ان میں سب سے واضح یہ ہے کہ: جائز ہے کہ وہ توڑ دے جیسا کہ سنن میں ہے کہ بعض صحابہ جب دن کے کسی حصہ میں سفر شروع کرتے تو روزہ توڑ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہی نبیؐ کی سنت ہے اور صحیح میں ثابت حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزے کا ارادہ کیا پھر آپ نے پانی منگایا اور روزہ توڑ دیا اور لوگ آپ کی طرف دیکھ رہے تھے[۱]۔

---

[۱] محدث ناصر الدین البانیؒ کا رسالہ "تصحیح حدیث افطار الصائم قبل سفرہ" دیکھیے

رہا دوسرا دن تو اس میں بلا شبہ وہ روزہ نہیں رکھے گا، اگر اس کے سفر کی مقدار دو دن ہے جیسا کہ تمام اماموں اور جمہور امت کا متفقہ فیصلہ ہے۔

لیکن اگر دن کے کسی حصہ میں بھی وہ واپس آجائے تو روزہ کو باقی رکھنے کے وجوب کے سلسلہ میں علماء میں زبردست اختلاف ہے۔

لیکن قضا تو اس پر واجب ہے ہی چاہے روزہ باقی رکھے یا نہ رکھے۔

جس کا معمول برابر سفر کرتے کا ہے اگر اس کے پاس اپنا کوئی وطن ہے جہاں وہ قیام کرتا ہے تو سفر میں وہ روزہ توڑ دے۔ جیسے تاجر جو غلہ اکٹھا کرتے ہیں یا دوسرے سامان لینے جانے دیتے ہیں یا وہ شخص جو جانوروں کو کرایہ پر دیتا ہے۔ ڈاکیہ جو مسلمانوں کے مفاد میں پابرکاب رہتا ہے، یا جیسے وہ ملاح جس کا خشکی میں مکان ہو جہاں وہ رہائش اختیار کیے ہوئے ہو۔

البتہ جس کے ساتھ کشتی میں اس کی بیوی ہو اور ساری سہولیات ہوں اور وہ برابر سفر کرے تو وہ قصر کرے گا نہ روزہ توڑے گا۔

اور دیہات والے جیسے بدو، کرد، ترک وغیرہ جو ٹھنڈک کہیں اور گزارتے ہیں اور گرمی کہیں اور جب وہ لوگ سفر کی حالت میں ہوں اور گرم علاقے سے سرد علاقے کی طرف یا سرد علاقے سے گرم علاقے کی طرف سفر کر رہے ہوں تو وہ قصر کریں گے۔ لیکن جب وہ اپنے اس سرد یا گرم مکان میں فروکش ہو جائیں تو روزہ توڑیں گے اور نہ قصر کریں گے۔ گرچہ چراگاہوں کی تلاش میں مارے مارے پھریں۔ واللہ اعلم۔

تیسرا سوال: شیخ الاسلام ؒ سے پوچھا گیا اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جسے رمضان میں سفر کرنا ہوا اور اسے بھوک لگے نہ پیاس محسوس ہو نہ تھکن لاحق ہو، تو اس کے لیے افضل

کیا ہے روزہ رکھنا یا نہ رکھنا؟

جواب : آپ نے فرمایا

رہا مسافر تو تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے گا چاہے اسے روزہ رکھنے میں کوئی دشواری در پیش نہ ہو اور اس کے لیئے روزہ نہ رکھنا افضل ہے اور اگر روزہ رکھ لے تو اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں : یہ روزہ کافی نہیں ہوگا۔

چوتھا سوال : ایک مسجد کے امام کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا جس کا مسلک حنفی تھا، اس نے اپنی جماعت میں شریک نمازیوں سے کہا کہ اس کے پاس فلاں کتاب ہے جس میں درج ہے کہ رمضان کے روزے کی نیت اگر آدمی عشاء سے پہلے یا بعد میں یا سحری کے وقت نہ کرے تو اس روزے میں کوئی اجر

نہیں ہے تو کیا یہ بات صحیح ہے؟ یا نہیں؟

جواب : آپ نے جواب میں فرمایا۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیئے ہیں۔ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ رمضان کا روزہ اس پر فرض ہے اور اگر روزہ رکھنا چاہتا ہے تو نیت کرے اگر اسے معلوم ہو جائے کہ کل رمضان ہے تو ضروری ہے کہ وہ نیت کر لے اس لیئے کہ نیت کا مقام آدمی کا دل ہے اور جس شخص کو اپنے ارادہ کا علم ہو جائے تو اس کے لیئے ناگزیر ہے چاہے لفظوں میں زبان سے ادائیگی ہو یا نہ ہو۔

اور نیت کی زبان سے ادائیگی واجب نہیں ہے۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے عام مسلمان نیت کے ساتھ روزہ رکھتے ہیں اور بلاشبہ واختلاف ان کا روزہ صحیح ہے۔

رمضان کے مہینے کے لیئے نیت کی تعیین واجب ہے یا نہیں اس میں مسلک امام احمد میں تین اقوال ملتے ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ بغیر رمضان کی نیت کیے وہ روزہ کافی نہیں ہو گا اگر وہ مطلق نیت سے یا مشروط نیت سے یا نفل یا نذر کی نیت سے روزہ رکھ لے تو اس کے لیے کافی نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کا مشہور مسلک یہی ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت یہ آتی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ : بالکل اس کے لیے کافی ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ : مطلق نیت کے ساتھ تو کافی ہے۔ لیکن رمضان کے سوا کسی اور نیت کی تعیین کے ساتھ کافی نہیں ہے۔ یہ تیسری روایت احمد کی ہے اور خرقی اور ابو البرکات نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ : نیت علم کے ساتھ آتی ہے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کل رمضان ہے تو اس صورت میں تعیین واجب ہے۔ اگر وہ نفل یا مطلق روزہ کی نیت کرے تو کافی نہیں ہے اس

یہ لیئے کہ اللہ نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ واجب کی ادائیگی کا قصد کرے اور وہ رمضان کا مہینہ ہے جس کے وجوب کا اسے علم ہے اگر وہ واجب کی ادائیگی نہ کرے تو اپنے ذمہ سے بری نہ ہو گا۔

لیکن اگر اسے یہ معلوم نہ ہو کہ کل رمضان کا روزہ ہے تو نیت کی تعیین اس پر واجب نہیں ہے اور جس نے ناواقفیت کے باوجود تعیین کو واجب کیا ہے تو اس نے دو متضاد چیزوں کو جمع کرنا واجب قرار دیا ہے۔

اگر یہ کہا جائے: اس کا روزہ رکھنا جائز ہے اور اس صورت میں مطلق نیت کے ساتھ روزہ رکھے یا مشروط نیت کے ساتھ اس کے لیئے کافی ہے اگر وہ نفلی روزہ رکھے پھر اسے معلوم ہو جائے کہ رمضان کا مہینہ شروع ہو چکا ہے تو زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اس کے لیئے روزہ کافی ہے۔ جیسے کسی شخص کی اس کے پاس امانت رکھی ہو اور اسے خبر نہ ہو اور وہ ہدیتہً اسے دے دے پھر اسے

بعد میں پتہ چلے کہ یہ اس کا حق تھا تو اسے دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ کہدے گا کہ : جو چیز آپ کے پاس پہنچ گئی ہے وہ میرے اوپر آپ کا حق تھا۔ اور اللہ معاملات کے حقائق سے واقف ہے اور امام احمد سے روایت کی جاتی ہے کہ اس معاملہ میں لوگ امام کی نیت کے تابع ہوں گے بشرطیکہ روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کا لوگوں کو علم ہو جیسا کہ سنن میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "تمہارا روزہ وہ ہے جس دن تم رکھو اور تمہارا روزہ اس دن نہیں ہے جس دن تم نہ رکھو اور تمہاری قربانی اس دن ہے جس دن تم قربانی کرو۔"

پانچواں سوال : شیخ الاسلامؒ سے پوچھا گیا : آنجناب کیا فرماتے ہیں رمضان کے روزہ دار کے بارے میں کہ وہ روزانہ نیت کرنے کا محتاج ہے یا نہیں۔ ؟

جواب : جس شخص کو معلوم ہو جائے کہ کل رمضان ہے اور

وہ روزہ رکھنا چاہتا ہے تو اس نے روزے کی نیت کرلی چاہے زبان سے ادائیگی کرے یا نہ کرے اور یہ تمام مسلمانوں کا عمل ہے۔ سب روزے کی نیت کرتے ہیں۔

چھٹا سوال : غروب آفتاب کے بارے میں سوال کیا گیا: کیا بس سورج کے غروب ہو جانے سے روزہ دار کے لیے افطار کرنا جائز ہو جائے گا۔؟

جواب : آپ نے فرمایا :

جب سورج کا تمام حصہ غروب ہو جائے تو روزہ دار افطار کرلے اور افق میں باقی رہنے والی شدید سرخی قابل لحاظ نہیں ہے۔ اور جب پورا سورج غروب ہو جاتا ہے تو مشرق سے سیاہی ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ نبیؐ نے فرمایا ہے : "جب رات یہاں سے آ جائے اور دن یہاں سے رخصت ہو جائے اور سورج ڈوب جائے

تو روزہ دار افطار کرے"۔

سا تواں سوال : سوال کیا گیا کہ : اگر صبح کی اذان کے بعد کھالے تو کیا ہو گا۔

جواب : حمد اللہ کے لیئے ہے اگر مؤذن طلوع فجر سے پہلے اذان دے دے جیسا کہ بلالؓ نبیؐ کے دور میں طلوع فجر سے پہلے اذان دیا کرتے تھے اور جیسا کہ دمشق میں موذن اذان دیتے ہیں[1] تو اس کے تھوڑی دیر بعد تک کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر اسے شک ہو کہ فجر طلوع ہوا ہے یا نہیں ؟ تو اسے اختیار ہے کہ جب تک طلوع واضح نہ ہو جائے وہ کھائے پیئے اور اس کے بعد اگر اسے معلوم ہو کہ اس نے طلوع فجر کے بعد کھالیا ہے تو قضا کرے

---

[1] دمشق میں آج تک اس پر عمل ہو رہا ہے۔

واجب ہونے کے سلسلے میں اختلاف ہے۔
سب سے واضح قول یہ ہے کہ اس پر قضا واجب نہیں ہے اور یہی حضرت عمرؓ سے ثابت ہے اور سلف وخلف کے ایک گروہ کا یہی مسلک ہے۔ اور قضا چاروں اماموں کا مشہور مسلک ہے واللہ اعلم۔

آٹھواں سوال : ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو جب بھی روزہ رکھنا چاہتا ہے اسے بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے منہ سے جھاگ نکلنے لگتی ہے اور جنون کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے وہ کچھ دنوں تک اسی حالت میں رہتا ہے اسے افاقہ نہیں ہوتا یہاں تک کہ لوگ اسے مجنون کہنے لگتے ہیں حالانکہ اس کا جنون ثابت نہیں ہو سکا۔

جواب : آپ نے جواب دیا :

حمد اللہ کے لیئے ہے۔ اگر روزہ کی وجہ سے اسے اس طرح کا مرض لاحق ہو جاتا ہے تو وہ روزہ توڑ دے اور قضا کرے اور اگر جب بھی وہ روزہ رکھے یہی اس کی کیفیت ہو جاتی ہے تو وہ روزے سے معذور ہے وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ واللہ اعلم۔

نواں سوال : کسی ایسی حاملہ عورت کے بارے میں پوچھا گیا جسے خون پابندی سے آتا ہے لیکن اس نے حیض سے ملتی جلتی کوئی چیز دیکھی اور نرسوں نے کہا کہ جنین کے فائدے کی خاطر وہ روزہ توڑ دے اور عورت کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی تو کیا اس کے لیئے روزہ نہ رکھنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب : آپ نے فرمایا۔

اگر حاملہ کو جنین کے بارے میں کسی نقصان کا اندیشہ ہو

تو روزہ نہ رکھے۔ اور ہر روزہ کے بدلے ایک روزہ کی قضا کرے،، اور ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ خوراک ایک رطل برابر روٹی سالن کے ساتھ ہو۔

فہرس مضامین

مطابع دار الثقافة العربية ــ الرياض ــ ت : ٤٠١٤٢٤٦

حَقِيقَةُ الصِّيَامِ

تأليف

شيخ الإسلام أحمد بن عبدالحليم بن تيمية

باللغة الأوردية

طبع ونشر

الرئاسة العامة لإدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد

الإدارة العامة للطبع والترجمة

الرياض ـ المملكة العربية السعودية

وقف لله تعالى

١٤٠٨هـ

حَقِيقَةُ الصِّيَامِ

تأليف

شيخ الإسلام أحمد بن عبدالحليم بن تيمية

باللغة الأوردية

طبع ونشر

الرئاسة العامة لإدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد

الإدارة العامة للطبع والترجمة

الرياض ـ المملكة العربية السعودية

وقف لله تعالى

١٤٠٨هـ